آدھی غزلیں
احمد کمال حشمی

تصانیف

۱۔ آیاتِ سخن (تذکرہ) ۱۹۹۵

۲۔ سفر مقدر رہے (غزلیں) ۲۰۰۵

۳۔ چاند، ستارے، جگنو، پھول (بچوں کے لئے نظمیں) ۲۰۰۹

۴۔ ردِّ عمل (غزلیں) ۲۰۱۶

۵۔ آدھی غزلیں (تضمینیں) ۲۰۱۷

آدھی غزلیں

احمد کمال حشمی

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

AADHI GHAZLEN *(Ghazals)*
By : Ahmad Kamal Hashami
Add. : H/28/1, B.L. No. 2, Kankinara, Pin-743126, W.B., India
Price : Rs. 250/- — Year of Edition Dec. 2017
ISBN : 978-93-87539-47-1

نام کتاب : **آدھی غزلیں** (شعری مجموعہ)
شاعر و ناشر : احمد کمال حشمی
سن اشاعت : دسمبر ۲۰۱۷ء
قیمت : ۲۵۰ روپے
مطبع : روشان پرنٹرس، دہلی۔۶
کمپوزنگ : انجلا گرافکس، موبائل: 9339116285
رابطہ : مکان نمبر: 28/1، گلی نمبر: 2، کانکی نارہ، پن-743126، مغربی بنگال، انڈیا، موبائل : 9433145485

ملنے کے پتے

☆ امرین بک ایجنسی، احمد آباد۔ M.08401010786
☆ حسامی بک ڈپو، حیدرآباد۔ Ph.040-66806285
☆ ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرس، حیدرآباد۔ Ph.040-24411637
☆ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ممبئی۔ Ph.022-23774857
☆ بک امپوریم، پٹنہ۔ M.09304888739
☆ دانش محل، لکھنؤ۔ Ph.0522-2626724
☆ مرزا ورلڈ بک ہاؤس، اورنگ آباد۔ M.09325203227
☆ کشمیر بک ڈپو، سری نگر، M.09419761773
☆ گلوبل بکس، سرینگر، M.09070340905
☆ قاسمی کتب خانہ، جموں M.09797352280
☆ ہمالیہ بک ورلڈ، حیدرآباد۔ Ph.040-66822350
☆ انجمن ترقی اردو، حیدرآباد۔ M.09247841254
☆ دکن ٹریڈرس، حیدرآباد۔ Ph.040-24521777
☆ کتاب دار، بک سیلر، پبلشر، ممبئی Ph.09869321477
☆ عثمانیہ بک ڈپو، کلکتہ۔ M.09433050634
☆ رائی بک ڈپو، الہ آباد۔ M.09889742811
☆ ایجوکیشنل بک ہاؤس، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ
☆ مکتبہ علم وادب، سری نگر M.094419407522
☆ وطن پبلیکیشنز، سری نگر، M. 09419003490
☆ نعیم بک سیلرز، متوناتھ بھنجن، M.09450755820

پاکستان میں ملنے کا پتہ

☆ ملک بک ڈپو، چوک اردو بازار، لاہور (پاکستان) Ph: 0092-42-37247480,37231388

Published by
EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
3191,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(INDIA)
Ph : 23216162, 23214465, Fax : 0091-11-23211540
E-mail: info@ephbooks.com,ephdelhi@yahoo.com
website: www.ephbooks.com

انتساب

شریک حیات

روشن آرا

کے نام

جن کو میری تضمینیں، میری غزلوں

سے زیادہ پسند ہیں!

فہرست

شعرائے بنگال

☆☆☆

دوسرا خط

معزز قارئین!

''آدھی غزلیں'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

میں نے مختلف شعرائے کی غزلوں کے ثانی مصرعوں پر اولیٰ مصرعے کہہ کر غزلیں مکمل کی ہیں اور ان کا نام ''آدھی غزلیں'' دیا ہے۔ یہ کوئی نئی صنف سخن نہیں ہے بلکہ تضمین ہی کی ایک شکل ہے۔ اس طرح کی کچھ تضمینیں میں نے وقتاً فوقتاً غالب کی غزلوں پر پڑھی تھیں، جن میں غالب کی کسی غزل کے مصرع ہائے ثانی پر مزاحیہ مصرعے لگا کر ہزلیہ شکل دی گئی تھی مگر سنجیدگی کے ساتھ اس طرف اب تک کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔

میری معلومات کے مطابق یہ اپنی نوعیت کا پہلا شعری مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں شامل شعرا کی جن غزلوں پر ''آدھی غزلیں'' کہی گئی ہیں، یہ ضروری نہیں کہ وہ ان کی شاہکار غزلیں ہوں۔ جب جس شاعر کی جو غزل ہاتھ لگی، اس پر میں نے 'آدھی غزل' کہہ ڈالی۔

کچھ برسوں قبل مجھے اپنے چھوٹے بھائی ارشد جمال حشمی کی ایک غزل پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ غزل مجھے بہت پسند آئی تھی مگر دو شعروں کے اولیٰ مصرعے مجھے ہلکے لگے تھے۔ میں نے سوچا کہ اگر یہ دو مصرعے یوں نہ ہو کر یوں ہوتے تو دونوں شعر بلند ہو جاتے۔ پھر اچانک میرے ذہن میں ایک جھماکہ ہوا۔ میں نے سوچا کیوں نہ تمام اولیٰ مصرعے ہٹا کر میں اپنی طرف سے اولیٰ مصرعے کہہ کر غزل کو ایک نئی شکل دے دوں۔ پھر میں نے ایسا ہی کیا۔

اس طرح اس کتاب کی پہلی ''آدھی غزل'' وجود میں آئی۔ جب میں نے یہ 'آدھی غزل' ارشد کو دکھائی تو اس نے حیرت آمیز خوشی کا اظہار کیا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں اس سلسلے کو آگے بڑھانا چاہتا ہوں اور دیگر شعرا کی غزلوں پر ''آدھی غزلیں'' کہنے کا ارادہ رکھتا ہوں تو اس نے یہ کہہ کر میرا حوصلہ بڑھایا کہ یہ ایک نئی چیز ہے اور شاعری کی دنیا میں پسند کی جائے گی۔

پہلے میرا ارادہ تھا کہ اپنے ہم عصر شعرا کی غزلوں پر ''آدھی غزلیں'' کہوں گا مگر یہ سلسلہ دراز ہوتا گیا اور کچھ سینئر شعرا کی غزلیں بھی 'زد' میں آگئیں۔

تضمین کے سلسلے میں بہت پہلے میں نے کہیں پڑھا تھا کہ تضمین کی خوبی یہ مانی جاتی ہے کہ یا تو گرہ بند شعر اصل شعر سے مفہوم کے اعتبار سے قطعی الگ ہو یا اس کے مفہوم کو وسعت دیتا ہو۔ میں نے اپنی بساط بھر آدھی غزلوں میں یہ خوبی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ کامیاب کہاں تک ہوا ہوں، یہ آپ بتائیں گے۔ مجھے آپ کی آرا کا انتظار رہے گا۔

میں ڈاکٹر معصوم شرقی صاحب کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی تقریظ لکھنے کی زحمت فرمائی۔ ڈاکٹر معصوم شرقی صاحب بذات خود ایک اچھے شاعر ہیں۔ انہوں نے غزلوں اور نظموں کے علاوہ کثیر تعداد میں اساتذہ کی غزلوں کی مخمس نما تضمینیں بھی کی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ میر و غالب کی غزلوں پر ان کی تضمینیں پڑھ کر ہی تضمین سے میری آشنائی ہوئی تھی۔ معصوم صاحب نے ہمیشہ میری شاعری کو سراہا ہے اور میری حوصلہ افزائی کی ہے۔

اگر اکابرینِ ادب نے اس کتاب کو پسند کی نگاہ سے دیکھا تو انشاء اللہ ''آدھی غزلیں'' کہنے کا سلسلہ جاری رکھوں گا۔

احمد کمال حشمی

☆☆☆☆☆

احمد کمال حشمی کی تضمین نگاری

تضمین عربی لفظ 'ضم' سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی ہیں ملانا یا شامل کرنا لیکن شاعری کی اصطلاح میں یہ وہ فن ہے جس میں کوئی شاعر اپنے کسی پسندیدہ شاعر کے ایک شعر یا ایک مصرع پر اپنے چند مصرعوں کا اضافہ اس طرح کرتا ہے کہ اصل شعر یا مصرعے سے پوری طرح ہم آہنگ ہو جائیں اور معنی و مفہوم کے اعتبار سے ایک الگ اکائی (Unit) بھی بن جائے۔ تضمین نگاری کا یہ فن کامیاب اس وقت مانا جاتا ہے، جب تضمین کے بعد سارے مصرعے کسی ایک ہی شاعر کے کہے ہوئے معلوم ہوں۔ تضمین نگاری ایک مشکل فن ہے، جسے برتنا ہر شاعر کے لئے آسان نہیں ہے کیونکہ تضمین نگار کو اپنے مصرعوں کی تخلیق کرتے وقت اپنی شخصیت کی سطح کو اس شاعر کی شخصیت کی سطح کے برابر رکھنا پڑتا ہے جس شاعر کے شعر یا مصرعے کی تضمین کرنی ہوتی ہے تاکہ اس شاعر کے کلام میں موجود اس کی داخلی کیفیت، رنگ و آہنگ اور اس کی شخصیت کے ارتعاشات سے تضمین شدہ مصرعوں کو پوری طرح ہم آہنگ کیا جا سکے۔

اس کلیے پر احمد کمال حشمی کامیاب نظر آتے ہیں۔ شعر و ادب سے ان کی وابستگی کسبی نہیں، فطری ہے۔ وہ ایک قادرالکلام شاعر ہیں۔ سادہ اور سلیس بیانیہ اسلوب میں بات کرتے ہیں۔ ان کا طرز احساس اور انداز فکر خود احتسابی سے عبارت ہے اور ان کی شناخت کا

سب سے بڑا وسیلہ ان کا اسلوب ہے۔ان کا اسلوب استعاروں، علامتوں اور تمثیلوں کے غیر واضح، مبہم اور غیر روایتی لب ولہجہ سے عبارت ہے۔احمد کمال محض کسی آواز کی بازگشت نہیں ہیں۔ان کا اپنا لب ولہجہ اور اپنی شخصیت ہے۔

اس وقت احمد کمال حشمی کی تضامین کا مسودہ ''آدھی غزلیں'' پیش نظر ہے جس میں انہوں نے مشاہیر شعرا کی معیاری غزلوں کا باریک بینی سے انتخاب کیا ہے اور ان پر انتہائی دروں بینی سے تضمین کی ہے۔احمد کمال نے تخلیقی مراحل (Creative Process) کے دوران اپنے محسوسات اور خیالات کو اتنا شدید بنا کر پیش کیا ہے کہ پڑھتے ہی قارئین کے دل میں اُتر جاتے ہیں۔درج ذیل اشعار میری حقیر رائے کو استحکام بخشتے ہیں:

ایک تجھ سے ہی تو کہہ سکتے تھے حال غم دل
شہر میں تو ہی تو تھا دوست پرانا اپنا
(کمار پاشی)

نئے احباب پہ میں کیسے بھروسہ کرتا
''شہر میں تو ہی تو تھا دوست پرانا اپنا''
(احمد کمال حشمی)

بڑی عجیب یہ مجبوریاں سماج کی ہیں
منافقوں سے تعلق نبھانا پڑتا ہے
(اظہر عنایتی)

سجا کے لب پہ ہنسی دوستوں سے ملتا ہوں
''منافقوں سے تعلق نبھانا پڑتا ہے''
(احمد کمال حشمی)

یہ کیا پیٹھ پر زخم دیتے ہو تم
کرو وار سینے پہ کھل کر میاں
(نذیر فتح پوری)

مرے ہاتھ ہیں میرے پیچھے بندھے
''کرو وار سینے پہ کھل کر میاں''
(احمد کمال حشمی)

نوک ہر خار پہ امکانِ سحر روشن ہے
آبلہ پا کوئی اس سمت بھی آیا ہوگا
(اختر شاہجہانپوری)

ریگزاروں میں یونہی پھول نہیں کھلتے ہیں
''آبلہ پا کوئی اس سمت بھی آیا ہوگا''
(احمد کمال حشمی)

اور اس میں تیر کر مجھے ہونا ہے سرخرو
درپیش ہے لہو کا سمندر مرے عزیز
(محبوب راہی)

کرنا ہے پار، تیر یا کشتی میں بیٹھ جا
''درپیش ہے لہو کا سمندر مرے عزیز''
(احمد کمال حشمی)

صالح روایتوں پہ بھی آنے لگا زوال
قیمت بڑھی ہے ان دنوں کاغذ کے پھول کی
(مہدی پرتاپ گڈھی)

مرجھا گئے ہیں بیلا، چمیلی، گلاب، سب
''قیمت بڑھی ہے ان دنوں کاغذ کے پھول کی''
(احمد کمال حشمی)

موت اب کیا کسی کو مارے گی
جان لیتی ہے زندگی سب کی
(مدحت الاختر)

جان دیتے ہیں زندگی پر سب
''جان لیتی ہے زندگی سب کی''
(احمد کمال حشمی)

یہ خاندان ہمارا بکھر گیا جب سے
مزہ ہمیں کسی تہوار میں نہیں آتا
(رؤف خیر)

بچھڑ کے اس سے نہ دیوالی ہے نہ عید کمالؔ
''مزہ ہمیں کسی تہوار میں نہیں آتا''
(احمد کمال حشمی)

مسجد میں اس کو دیکھ کے حیران رہ گیا
تنقید کر رہا تھا جو کل تک اذان پر
(شہود عالم آفاقی)

آفت پڑی تو آج وہی سجدہ ریز ہے
''تنقید کر رہا تھا جو کل تک اذان پر''
(احمد کمال حشمی)

احمد کمال نے اپنی تضمین سے مفہوم کی توسیع کے ساتھ ساتھ توجیہہ بھی پیش کی ہے۔ اس طرح دونوں شاعروں کے تخلیقی عمل کے امتزاج سے ایک نئی فضا اور نئی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔ انہوں نے شاعروں کے جن مصرعوں پر تضمین کی ہے، وہ انتہائی سریع الفہم ہیں۔ اس سے شاعر کے مافی الضمیر تک پہنچنے میں آسانی ہوتی ہے۔ پرواز فکر کی رفعت سے انہوں نے شعر کو جزالت عطا کردی ہے اور سادہ سی بات کو سادگی سے اپنے 'مصرعۂ تر' سے بلا کی تاثیر

پیدا کر دی ہے۔

مخمس کی شکل میں غزل کے اشعار کی تضمین کے نمونے بیشمار ملتے ہیں لیکن احمد کمال نے ایک نئی بات یہ پیدا کی ہے کہ انہوں نے مخمس کی بجائے شاعر کی غزل کے ہر مصرعۂ ثانی پر تضمین کی ہے جو ایک مکمل غزل بن کر جلوے بکھیرتی ہے۔ اس غزل کو انہوں نے ''آدھی غزل'' کا عنوان دیا ہے۔ قاری کو تجزیاتی کیفیت سے گزرنے میں آسانی کے لئے شاعر کی غزل اور تضمین شدہ غزل (آدھی غزل) دونوں روبرو ہیں۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں ''آدھی غزلیں'' کی تیاری میں احمد کمال حشمی نے نہایت خاموشی سے کام لیا ہے۔ شاید وہ سرپرائز دینا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مختلف رسائل اور شعری مجموعوں سے غزلیں اخذ کی ہیں۔ ان کا یہ انتخاب بھی قابل داد ہے۔ شامل کتاب کے کچھ شعرا اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ جو حیات ہیں، ان میں کچھ بزرگ اور کچھ ہم عصر شعرا ہیں۔ اس طرح یہ کتاب تضامین کا ایک نادر گلدستہ کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔

تجربے کامیاب بھی ہوتے ہیں اور ناکام بھی لیکن تجربے کو کامیابی سے ہمکنار ہونے میں مدت مدید کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی بھی فن تجربے کی راہوں سے گزرنے کے بعد ہی درجۂ اعتبار کو پہنچتا ہے۔ اگر تجربے کے اظہار میں مانوس حسن اور نیا پن ہو تو مملکت ادب میں ایسے تجربے کی پذیرائی ہوتی ہے۔ احمد کمال اپنے مقصد میں کامیاب ہیں۔ میری دعا ہے کہ وہ شعور و آگہی کی تنویر میں شعر و سخن کے ہیرے موتی تلاش کرتے رہیں گے۔ اُمید ہے کہ ان کی دیگر تصانیف کی طرح یہ کتاب بھی اردو ادب کے ہر حلقے میں پسند کی جائے گی۔

ڈاکٹر معصوم شرقی

☆☆☆☆☆

غـــــزل

کمار پاشی

اس جہاں میں نہیں اب کوئی ٹھکانہ اپنا
تو نہیں دوست تو دشمن ہے زمانہ اپنا

تم سے پایا ہے جو، تم سے جو ملا ہے ہم کو
ہاں وہی درد ، وہی غم ہے خزانہ اپنا

وضع بدلیں بھی ، تو چھوڑے گا نہ وہ خو اپنی
یعنی بیکار ہے اس بزم میں جانا اپنا

ایک تجھ سے ہی تو کہہ سکتے تھے حال غم دل
شہر میں تو ہی تو تھا دوست پُرانا اپنا

گم ہوئے جاتے ہیں اے دشت! ترے ذرّوں میں
ہاں ، تجھے یاد رہے خاک اڑانا اپنا

کر لو در بند ، نہ اب راہ ہماری دیکھو
یعنی مشکل ہے بہت لوٹ کے آنا اپنا

کتنی پُرلطف تھیں اس شوخ کی باتیں پاشی
کتنا بے کیف ہے محفل میں فسانہ اپنا

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

سب کے سب غیر ہوئے ، کوئی رہا نا اپنا
''یعنی بیکار ہے اس بزم میں جانا اپنا''

تجھ سے رشتہ تھا تو دنیا سے تھا رشتہ باقی
''تو نہیں دوست تو دشمن ہے زمانہ اپنا''

دل کے تہہ خانے میں رکھا ہے چھپا کر جس کو
''ہاں وہی درد ، وہی غم ہے خزانہ اپنا''

نئے احباب پہ میں کیسے بھروسہ کرتا
''شہر میں تو ہی تو تھا دوست پُرانا اپنا''

وحشتوں کی مری اے دشت ! گواہی دینا
''ہاں ، تجھے یاد رہے خاک اڑانا اپنا''

شاخ سے پتہ بچھڑتا ہے ہمیشہ کے لئے
''یعنی مشکل ہے بہت لوٹ کے آنا اپنا''

حال دل اپنا سناتے ہوئے شرمندہ ہوں
''کتنا بے کیف ہے محفل میں فسانہ اپنا''

چل کماؔل اور کہیں جا کے بسائیں دنیا
''اس جہاں میں نہیں اب کوئی ٹھکانہ اپنا''

☆☆☆☆☆

غـــزل

عبدالرحیم نشتر

شعاع پھوٹ رہی ہے بدن کی رنگت سے
نکھر گئی ہے وہ کچھ اور میری چاہت سے

میں اس درخت کے نیچے کھڑا ہوں کیوں تنہا
تمام پھول مجھے دیکھتے ہیں حیرت سے

مری ہوس نے یہ کیسا کمال کر ڈالا
وہ خود بھی جھوم اُٹھی ہے عجیب لذت سے

نہ ایسے اُڑتی ہوئی تتلیوں پہ للچاؤ
کسی کو چاہو تو چاہا کرو طبیعت سے

بس اک نگاہ میں زیر و زبر ہے یہ عالم
قریب ہو گئے ہم لوگ اب قیامت سے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

وہ سونا بن گیا کندن ، نظر کی حدّت سے
''نکھر گئی ہے وہ کچھ اور میری چاہت سے''

بس ایک رات نہائے تھے چاندنی میں ہم
''شعاع پھوٹ رہی ہے بدن کی رنگت سے''

سنبھال کر میں نے رکھا ہے کیوں وہ باسی پھول
''تمام پھول مجھے دیکھتے ہیں حیرت سے''

مجھے بھی موت سے مل کر بڑا مزہ آیا
''وہ خود بھی جھوم اُٹھی ہے عجیب لذت سے''

کرو نماز ادا تو خشوع خضوع کے ساتھ
''کسی کو چاہو تو چاہا کرو طبیعت سے''

کسی کو خوف نہ پرواہ ہے قیامت کا
''قریب ہو گئے ہم لوگ اب قیامت سے''

☆☆☆☆☆

غــــزل

کشمیری لال ذاکر

یہ اور بات کہ آگے ہوا کے رکھے ہیں
چراغ رکھے ہیں جتنے جلا کے رکھے ہیں

نظر اُٹھا کے انہیں ایک بار دیکھ تو لو
ستارے پلکوں پہ ہم نے سجا کے رکھے ہیں

کریں گے آج کی شب کیا یہ سوچنا ہوگا
تمام کام تو کل پر اُٹھا کے رکھے ہیں

کسی بھی شخص کو اب ایک نام یاد نہیں
وہ نام سب نے جو مل کر خدا کے رکھے ہیں

انہیں فسانے کہو ، دل کی داستانیں کہو
یہ آئینے ہیں جو کب سے سجا کے رکھے ہیں

خلوص ، درد ، محبت ، وفا ، رواداری
یہ نام ہم نے کسی آشنا کے رکھے ہیں

تمہارے در کے سوالی بنیں تو کیسے بنیں
تمہارے در پہ تو کانٹے انا کے رکھے ہیں

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

نہ جانے کس نے سرِ بزم لا کے رکھے ہیں
”یہ آئینے ہیں جو کب سے سجا کے رکھے ہیں“

یہ کم نہیں ہے کہ روشن ہیں ہم دیئے کی طرح
”یہ اور بات کہ آگے ہوا کے رکھے ہیں“

خیال ، خواب ، اُمید ، آرزو ، تمنا ، آس
”چراغ رکھے ہیں جتنے جلا کے رکھے ہیں“

بصد خلوص انہیں ٹانکیں گے تیرے آنچل پر
”ستارے پلکوں پہ ہم نے سجا کے رکھے ہیں“

کسی کی یادو چلی آؤ آج خالی ہوں
”تمام کام توکل پر اُٹھا کے رکھے ہیں“

وہ نام ہی تو سبب اختلاف کے بھی ہیں
”وہ نام سب نے جو مل کر خدا کے رکھے ہیں“

فریب ، مکر ، ریا ، کذب ، دھوکہ ، عیاری
”یہ نام ہم نے کسی آشنا کے رکھے ہیں“

تمہارے در سے کوئی گل وفا کے کیسے چنے
”تمہارے در پہ تو کانٹے انا کے رکھے ہیں“

☆☆☆☆☆

غـــــزل

والی آسی

بھولے بسرے ہوئے غم یاد بہت کرتا ہے
میرے اندر کوئی فریاد بہت کرتا ہے

روز آتا ہے ، جگاتا ہے ، ڈراتا ہے مجھے
تنگ مجھ کو مرا ہم زاد بہت کرتا ہے

مجھ سے کہتا ہے کہ کچھ اپنی خبر لے بابا
دیکھ تو وقت کو برباد بہت کرتا ہے

نکلی جاتی ہے مرے پاؤں کے نیچے سے زمیں
آسماں بھی ستم ایجاد بہت کرتا ہے

کچھ تو ہم صبر و رضا بھول گئے ہیں شاید
اور کچھ ظلم بھی صیاد بہت کرتا ہے

اس کے جیسا تو کوئی چاہنے والا ہی نہیں
کر کے پابند جو آزاد بہت کرتا ہے

بستیوں میں وہ کبھی خاک اُڑا دیتا ہے
کبھی صحراؤں کو آباد بہت کرتا ہے

غم کے رشتوں کو کبھی توڑ نہ دینا والؔی
غم خیال دل ناشاد بہت کرتا ہے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

اسے ، لگتا ہے کہ غم شاد بہت کرتا ہے
"بھولے بسرے ہوئے غم یاد بہت کرتا ہے"

تجھ کو باہر سے سنائی نہیں دیتا ، لیکن
"میرے اندر کوئی فریاد بہت کرتا ہے"

ایسا مت کہہ ، یہ نہ کر ، ویسا مت سن
"تنگ مجھ کو مرا ہم زاد بہت کرتا ہے"

میری خاطر یہ زمیں تنگ ہوئی جاتی ہے
"آسماں بھی ستم ایجاد بہت کرتا ہے"

ایک تو یاد بھی آتا ہے نشیمن اپنا
"اور کچھ ظلم بھی صیّاد بہت کرتا ہے"

اس کے سب کھیل نرالے ہیں ، نرالا ہے وہ
"کر کے پابند جو آزاد بہت کرتا ہے"

کبھی شہروں کو بھی ویران بناتا ہے عشق
"کبھی صحراؤں کو آباد بہت کرتا ہے"

اس سے میں ترک تعلق نہیں کرسکتا ہوں
"غم خیال دل ناشاد بہت کرتا ہے"

اتنا مت سوچ ، تو حالِ غمِ دل کہہ دے کمالؔ
"دیکھ تُو وقت کو برباد بہت کرتا ہے"

☆☆☆☆☆

غــــزل

غلام مرتضیٰ راهی

قدم اپنے ملا کر تیز پانی سے
ہماری ناؤ چلتی ہے روانی سے

بھرا ہے اختلافِ رنگ و بو اُن میں
کھلے جو گل تمہاری باغبانی سے

ہوئی ناکام ہر کوشش دبانے کی
اُٹھا وہ شور میری بے زبانی سے

حقیقت کو میں پس منظر میں رکھتا ہوں
کہ دلچسپی ہے دنیا کو کہانی سے

مہک رچ بس گئی ہے میری سانسوں میں
تعلق ہے مرا پھولوں کی رانی سے

سمائی جا رہی ہے کائنات اس میں
ہے ذرّہ تنگ اپنی بے کرانی سے

رہے کانٹے بھی شامل خیر مقدم میں
لیا وہ کام ہم نے گل فشانی سے

مرے اوجِ تخیل سے کوئی دیکھے
ڈھکا ہوں میں ردائے آسمانی سے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

ہضم ہوتی نہیں یہ بات پانی سے
''ہماری ناؤ چلتی ہے روانی سے''

شناور کیا وہ بن پائے جو چلتا ہو
''قدم اپنے ملا کر تیز پانی سے''

نہ خوشبو ہے نہ رنگت ہے نہ شوخی ہے
''کھلے جو گل تمہاری باغبانی سے''

زباں والے مہر بر لب نظر آئے
''اُٹھا وہ شور میری بے زبانی سے''

کبھی سچی کبھی جھوٹی سناتا ہوں
''کہ دلچسپی ہے دنیا کو کہانی سے''

حسد کرنے لگے ہیں بحر و بر بھی اب
''ہے ذرّہ تنگ اپنی بے کرانی سے''

پشیمانی نہیں جاتی ہے کانٹوں کی
''لیا وہ کام ہم نے گل فشانی سے''

بلائیں میرے سر آ ہی نہیں سکتیں
''ڈھکا ہوں میں ردائے آسمانی سے''

مجھے چبھنے سے کانٹے اب گریزاں ہیں
''تعلق ہے مرا پھولوں کی رانی سے''

☆☆☆☆☆

غــــزل

اظہر عنایتی

اُجالا دشت جنوں میں بڑھانا پڑتا ہے
کبھی کبھی ہمیں خیمہ جلانا پڑتا ہے

یہ مسخروں کو وظیفے یونہی نہیں ملتے
رئیس خود نہیں ہنستے ہنسانا پڑتا ہے

کسی کے عیب چھپانا ثواب ہے لیکن
کبھی کبھی کوئی پردہ اُٹھانا پڑتا ہے

بڑی عجیب یہ مجبوریاں سماج کی ہیں
منافقوں سے تعلق نبھانا پڑتا ہے

علاوہ راہ قلندر تمام دنیا میں
کسی بھی راہ سے گزرو زمانہ پڑتا ہے

شکستگی میں بھی کیا شان ہے عمارت کی
کہ دیکھنے کے لئے سر اُٹھانا پڑتا ہے

غزل کا شعر تو ہوتا ہے بس کسی کے لئے
مگر ستم ہے یہ سب کو سنانا پڑتا ہے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

کبھی جگر تو کبھی دل جلانا پڑتا ہے
"اُجالا دشت جنوں میں بڑھانا پڑتا ہے"

عدو کو اپنے اندھیرے میں رکھنے کی خاطر
"کبھی کبھی ہمیں خیمہ جلانا پڑتا ہے"

غزل کا شعر ہمیشہ نہیں کہا جاتا
"کبھی کبھی کوئی پردہ اُٹھانا پڑتا ہے"

سجا کے لب پہ ہنسی دوستوں سے ملتا ہوں
"منافقوں سے تعلق نبھانا پڑتا ہے"

رہِ حرم ہو، رہِ دیر ہو کہ مے خانہ
"کسی بھی راہ سے گزرو زمانہ پڑتا ہے"

اب آسماں کو زمیں پر اُتارنا ہوگا
"کہ دیکھنے کے لئے سر اُٹھانا پڑتا ہے"

فسانہ درد کا سب کے لئے نہیں ہوتا
"مگر ستم ہے یہ سب کو سنانا پڑتا ہے"

کمالؔ دیکھ ذرا چونچلے امیری کے
"رئیس خود نہیں ہنستے ہنسانا پڑتا ہے"

☆☆☆☆☆

غــــزل

ظفر اقبال ظفر

بنایا پھول تو پتھر بنا ہے
عجب انداز سے منظر بنا ہے

نئی ترکیب سے یہ گھر بنا ہے
دریچے ہیں نہ کوئی در بنا ہے

یہ انساں ہو گیا مخلوق کیسا
تھا آئینہ وہ اب پتھر بنا ہے

نہیں ہے اب کوئی بستی سلامت
ہر اک منظر ہی اک محشر بنا ہے

سرشت انساں میں ہے کیسی یہ آئی
جسے دیکھو وہی خنجر بنا ہے

سبھی کو موہ لیتا ہے ظفر وہ
مرا محبوب جادو گر بنا ہے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

جو باہر ہے وہی اندر بنا ہے
"ہر اک منظر ہی اک محشر بنا ہے"

ہوں ناواقف بنانے کے ہنر سے
"بنایا پھول تو پتھر بنا ہے"

بہت حیراں ہے میری چشمِ بینا
"عجب انداز سے منظر بنا ہے"

کسی دیوار میں کھڑکی نہیں ہے
"نئی ترکیب سے یہ گھر بنا ہے"

مکیں باہر کبھی آتے نہیں کیا
"دریچے ہیں نہ کوئی در بنا ہے"

زمانے کے سلوکِ ناروا سے
"تھا آئینہ وہ اب پتھر بنا ہے"

نیا اک زخم دیتا ہے ہمیشہ
"جسے دیکھو وہی خنجر بنا ہے"

نہیں رہ کر بھی رہتا ہے نظر میں
"مرا محبوب جادو گر بنا ہے"

☆☆☆☆☆

غــــزل

نذیر فتح پوری

بھگوئے گا کیا تشنہ منظر میاں
کہ پیاسا ہے خود ہی سمندر میاں

جہاں حکمراں تھے اُجالے کبھی
اندھیروں کے در آئے لشکر میاں

ہمیں بھی بہت خوف ہے دھوپ سے
ہمارا بھی ہے برف کا گھر میاں

یہ کیا پیٹھ پر زخم دیتے ہو تم
کرو وار سینے پہ کھل کر میاں

یہ باہر کی آبادیاں کیا کریں
ہیں ویرانیاں دل کے اندر میاں

نذیر اب ذرا ضبط سے کام لو
بہت رو چکے آج کھل کر میاں

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

عجب دیکھئے آ کے منظر میاں
''کہ پیاسا ہے خود ہی سمندر میاں''

بھروسہ نہیں اس پہ بالکل مجھے
''بھگوئے گا کیا تشنہ منظر میاں''

چراغو! بڑھاؤ تم اپنی لَویں
''اندھیروں کے در آئے لشکر میاں''

یہ دیوار و در اور چھت کتنی دیر
''ہمارا بھی ہے برف کا گھر میاں''

مرے ہاتھ ہیں میرے پیچھے بندھے
''کرو وار سینے پہ کھل کر میاں''

کھنڈر ہو چکی ہے حویلی یہ اب
''ہیں ویرانیاں دل کے اندر میاں''

اُمس تھی بہت ، آج بارش ہوئی
''بہت رو چکے آج کھل کر میاں''

☆☆☆☆☆

غـــزل

سیّدہ شانِ معراج

کبھی کبھی تری چاہت پہ یہ گماں گزرا
کہ جیسے سر سے ستاروں کا سائباں گزرا

چراغ ایسے جلا کر بجھا گیا کوئی
تمام دید کا عالم دھواں دھواں گزرا

جنونِ شوق میں سجدوں کی آبرو بھی گئی
مجھے خبر نہ ہوئی کب وہ آستاں گزرا

وہ میرا وہمِ نظر تھا کہ تیرا عکس جمیل
وہ کون تھا کہ جو منظر کے درمیاں گزرا

بچھڑ کے شام رہی طول عمر تک گویا
ٹھہر گیا تھا جو لمحہ وہ پھر کہاں گزرا

مجھے تو چشمِ گریزاں بھی التفات لگی
ترے ستم پہ بھی ایثار کا گماں گزرا

چھپا کے سو گئی منہ دن میں رہ گزار فراق
جو شب ہوئی تو خیالوں کا کارواں گزرا

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

مری نگاہوں کے آگے رواں دواں گزرا
''وہ کون تھا کہ جو منظر کے درمیاں گزرا''

جسے میں آب سمجھتا ہوں وہ سراب نہ ہو
''کبھی کبھی تری چاہت پہ یہ گماں گزرا''

کبھی کبھی ترا آنچل کچھ ایسے لہرایا
''کہ جیسے سر سے ستاروں کا سائباں گزرا''

تمہارے بعد ان آنکھوں میں روشنی نہ رہی
''تمام دید کا عالم دھواں دھواں گزرا''

کسی کے نام پہ سجدے ہر ایک گام کئے
''مجھے خبر نہ ہوئی کب وہ آستاں گزرا''

گزرنے کو تو زمانے گزر گئے لیکن
''ٹھہر گیا تھا جو لمحہ وہ پھر کہاں گزرا''

مری وفا پہ تجھے شک ہوا مگر مجھ کو
''ترے ستم پہ بھی ایثار کا گماں گزرا''

ہمارے دل کی سڑک شام تک رہی سونی
''جو شب ہوئی تو خیالوں کا کارواں گزرا''

☆☆☆☆☆

غـــزل

احمد سوز

یہ کار زیست کڑی دھوپ کی تمازت ہے

ذرا سی چھاؤں کی ہر شخص کو ضرورت ہے

وہ وضع داریاں وہ پیار بھول جاؤ اب

کسی کے پاس کہاں آج اتنی فرصت ہے

خیال و خواب کی تعبیر بن رہی ہے حیات

بہت سے لوگوں کی دنیا بھی آج جنت ہے

ہم انتشار کی حد سے گزر گئے ہیں آج

ہمارے واسطے جائے پناہ وحدت ہے

کدورتوں کو یہاں داخلہ نہیں ملتا

اس انجمن میں فقط پیار کی اجازت ہے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

کوئی بھی رکنا نہیں چاہتا ہے ، حیرت ہے
''یہ کارِ زیست کڑی دھوپ کی تمازت ہے''

گھنے درخت کے نیچے ہے بھیڑ لوگوں کی
''ذرا سی چھاؤں کی ہر شخص کو ضرورت ہے''

کسی کو آج کوئی فون تک نہیں کرتا
''کسی کے پاس کہاں آج اتنی فرصت ہے''

بہت سے لوگ جہنم رسیدِ دنیا ہیں
''بہت سے لوگوں کی دنیا بھی آج جنت ہے''

ہم اک ہجوم سے گھبرا کے بھاگ آئے ہیں
''ہمارے واسطے جائے پناہ وحدت ہے''

دوانے کرتے ہیں دیوانے پن کی بات یہاں
''اس انجمن میں فقط پیار کی اجازت ہے''

☆☆☆☆☆

غـــزل

اختر شاہجہانپوری

جب سر راہ دیا اس نے جلایا ہوگا
آندھیوں نے بھی بہت شور مچایا ہوگا

نوکِ ہر خار پہ امکانِ سحر روشن ہے
آبلہ پا کوئی اس سمت بھی آیا ہوگا

جسمِ نادیدہ کے اوصاف بتانا کیا کیا
کچھ پسِ حرف تکلم بھی چھپایا ہوگا

موجِ غم اُٹھی ہے پھر دشتِ فراقِ جاں سے
قصۂ درد ہواؤں نے سنایا ہوگا

سطحِ دریا پہ لکھے ہوں گے وفا کے قصے
ریت پر گھر کوئی خوابوں کا بنایا ہوگا

تاجرِ حق پہ ہوا بند دریچۂ نور
تیرگی نے اسے کیا کیا نہ دکھایا ہوگا

کب سے ہے شہر فسوں کار میں حیراں اخترؔ
کیا کوئی کارِ ہنر اس سے خدایا ہوگا

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

بجھنے کے خوف سے لوگوں نے ڈرایا ہوگا
''جب سر راہ دیا اس نے جلایا ہوگا''

آشیاں یونہی زمیں پر نہیں آیا ہوگا
''آندھیوں نے بھی بہت شور مچایا ہوگا''

ریگ زاروں میں یونہی پھول نہیں کھلتے ہیں
''آبلہ پا کوئی اس سمت بھی آیا ہوگا''

اس کے ہونٹوں پہ کچھ الفاظ تھے رقصاں لیکن
''کچھ پسِ حرف تکلم بھی چھپایا ہوگا''

سوگواری جو فضاؤں میں نظر آتی ہے
''قصۂ درد ہواؤں نے سنایا ہوگا''

یونہی تو خانہ خرابی نہیں قسمت اس کی
''ریت پر گھر کوئی خوابوں کا بنایا ہوگا''

روشنی بس وہ دکھاتی ہے جو آنکھیں
''تیرگی نے اسے کیا کیا نہ دکھایا ہوگا''

درد سہنے کے سوا دل کو کچھ آتا ہی نہیں
''کیا کوئی کارِ ہنر اس سے خدایا ہوگا''

☆☆☆☆☆

غـــــزل

صدیق مجیبی

شریک غم کوئی کب معتبر نکلتا ہے
سوائے دل کے سو وہ بے خبر نکلتا ہے

یہ کیسا شہر ہے کیسی ہے سر زمیں اس کی
جہاں کی خاک پلٹتا ہوں سر نکلتا ہے

جدھر ہیں پیاسے ادھر بارشیں ہیں تیروں کی
جدھر غنیم ہے دریا ادھر نکلتا ہے

اسے خبر ہے کہ ظلمت ہے صف بہ صف ہر سو
اُجالا ہاتھ میں لے کر سپر نکلتا ہے

حفیظ ہاتھوں کا سایہ ہے سائباں جیسا
یقین ہوتا ہے دل کو نہ ڈر نکلتا ہے

عجیب دھند ہے دشت سفر پہ چھائی ہوئی
نہ ختم ہوتا ہے رستہ نہ گھر نکلتا ہے

مجیبی سونپ دی جس کو متاع جاں میں نے
اسی کا قرض مرے نام پر نکلتا ہے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

عجب سفر پہ لئے راہ بر نکلتا ہے
''نہ ختم ہوتا ہے رستہ نہ گھر نکلتا ہے''

میں داستانِ غمِ دل کسے سناؤں بھلا
''شریک غم کوئی کب معتبر نکلتا ہے''

نواحِ جاں میں کوئی اپنا خیر خواہ نہیں
''سوائے دل کے سو وہ بے خبر نکلتا ہے''

قدم قدم پہ ستم کے ثبوت ملتے ہیں
''جہاں کی خاک پلٹتا ہوں سر نکلتا ہے''

جہاں ہیں ہم وہاں صحرا ہے تشنہ کامی ہے
''جدھر غنیم ہے دریا ادھر نکلتا ہے''

چراغ والے ہراساں دکھائی دیتے ہیں
''اُجالا ہاتھ میں لے کر سپر نکلتا ہے''

وہ آئے گا کہ نہیں آئے گا خدا جانے
''یقین ہوتا ہے دل کو نہ ڈر نکلتا ہے''

تمام عمر جسے میں خراج دیتا رہا
''اسی کا قرض مرے نام پر نکلتا ہے''

☆☆☆☆☆

غـــزل

محبوب راہی

اچھے نہیں ہیں وقت کے تیور ، مرے عزیز
رہنا ہے اپنی کھال کے اندر ، مرے عزیز

تیری منافقت پہ مجھے کوئی شک نہیں
میرے رفیق ، میرے برادر ، مرے عزیز

آ ، تیری تشنگی کا مداوا ہے میرے پاس
میرا لہو حلال ہے تجھ پر ، مرے عزیز

احساس جس کا نام ہے وہ چیز مستقل
چبھتی ہے مرے ذہن کے اندر مرے عزیز

اور اس میں تیر کر مجھے ہونا ہے سرخرو
درپیش ہے لہو کا سمندر مرے عزیز

نادان ، واہموں کے تعاقب سے باز آ
کوئی نہیں کسی کا ، یقیں کر مرے عزیز

ممکن جو ہو تو اس سے رہائی دلا مجھے
مجھ پر ہے بارِ دوش مرا سر مرے عزیز

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

اب شام ہونے والی ہے ، چل گھر مرے عزیز
"اچھے نہیں ہیں وقت کے تیور ، مرے عزیز"

موسم بہت خراب ہے باہر مرے عزیز
"رہنا ہے اپنی کھال کے اندر ، مرے عزیز"

تو بات بات پر نہ قسم بار بار کھا
"میرے رفیق ، میرے برادر ، مرے عزیز"

جتنا تو پی سکے گا پی ، باقی نچوڑ لے
"میرا لہو حلال ہے تجھ پر ، مرے عزیز"

آتی نہیں گرفت میں پر کوئی ایسی بات
"چبھتی ہے مرے ذہن کے اندر مرے عزیز"

کرنا ہے پار ، تیر یا کشتی میں بیٹھ جا
"درپیش ہے لہو کا سمندر مرے عزیز"

اپنے ہیں سارے لوگ ، فقط اک گمان ہے
"کوئی نہیں کسی کا ، یقیں کر مرے عزیز"

جب سے امیر شہر کے در پر یہ خم ہوا
"مجھ پہ ہے بارِ دوش مرا سر مرے عزیز"

☆☆☆☆☆

غـــــزل

مہدی پرتاپگڈھی

اچھی لگیں کتابوں میں باتیں اُصول کی
ان پر عمل کیا ہے، یہی ہم نے بھول کی

صالح روایتوں پہ بھی آنے لگا زوال
قیمت بڑھی ہے ان دنوں کاغذ کے پھول کی

بچوں کے رُخ پہ دیکھی ہے مایوسیوں کی گرد
جب خالی ہاتھ گھر مین پہنچنے کی بھول کی

اک آرزو نے ڈال دیا ہے عذاب میں
کب تک سزا ملے گی مجھے ایک بھول کی

وہ اپنے آپ مل گیا تقدیر میں جو تھا
ہم نے تمام عمر تگ و دو فضول کی

ہم نے تو انتظار میں عمریں گزار دیں
ساعت نہ آئی حسن کرم کے نزول کی

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

لیکن کہاں کسی نے بھی عملاً قبول کی
''اچھی لگیں کتابوں میں باتیں اُصول کی''

ہم نے خرد کے مشورے سن تو لئے مگر
''ان پر عمل کیا ہے، یہی ہم نے بھول کی''

مرجھا گئے ہیں بیلا، چمیلی، گلاب سب
''قیمت بڑھی ہے ان دنوں کاغذ کے پھول کی''

دیوار نے نہ در نے کہا تھا خوش آمدید
''جب خالی ہاتھ گھر میں پہنچنے کی بھول کی''

آنکھوں سے نیند اُڑ گئی اک خواب دیکھ کر
''کب تک سزا ملے گی مجھے ایک بھول کی''

اب یہ پتہ چلا ہے کہ تھی زندگی سراب
''ہم نے تمام عمر تگ و دو فضول کی''

اس نے تو اپنا وعدہ وفا ہی نہیں کیا
''ساعت نہ آئی حسن کرم کے نزول کی''

☆☆☆☆☆

غـــزل

سعید رحمانی

جب کبھی گھر سے ہم نکلتے ہیں
حادثے ساتھ ساتھ چلتے ہیں

دوستوں کی بڑی عنایت ہے
آستینوں میں سانپ پلتے ہیں

اپنی تہذیب کے جنازے پر
ہم کھڑے ہو کے ہاتھ ملتے ہیں

وہ کبھی معتبر نہیں ہوتے
ساتھ موسم کے جو بدلتے ہیں

دل کی محراب میں اُجالا ہے
اس کی یادوں کے دیپ جلتے ہیں

اے سعیدؔ آنسوؤں کے نذرانے
گیت میں لفظ • بن کے ڈھلتے ہیں

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

کسی بل سے نہیں نکلتے ہیں
‘‘آستینوں میں سانپ پلتے ہیں’’

بھانپ لیتے ہیں رُخ ہواؤں کا
‘‘جب کبھی گھر سے ہم نکلتے ہیں’’

آپ جب ہم سفر نہیں ہوتے
‘‘حادثے ساتھ ساتھ چلتے ہیں’’

وہ گزر جاتے ہیں ہوا کی طرح
‘‘ہم کھڑے ہو کے ہاتھ ملتے ہیں’’

کپڑوں جیسے ہیں اب تو چہرے بھی
‘‘ساتھ موسم کے جو بدلتے ہیں’’

جگنوؤں اور تاروں کی مانند
‘‘اس کی یادوں کے دیپ جلتے ہیں’’

درد و غم رائیگاں نہیں جاتے
‘‘گیت میں لفظ بن کے ڈھلتے ہیں’’

☆☆☆☆☆

غـــزل

عباس تابش

منحرف ہیں مرے ساتھی تو خدا ہی آئے
میرے حق میں بھی کبھی کوئی گواہی آئے

آڑے آتی ہے یہ حساس طبیعت ورنہ
جی تو کرتا ہے یہاں روز تباہی آئے

کوئی افواہ بھی آنگن میں اُتر سکتی ہے
یہ ضروری نہیں کھڑکی سے ہوا ہی آئے

راستہ اتنا بھی ویراں نہیں دیکھا جاتا
کوئی خوشبو ، کوئی جھونکا ، کوئی راہی آئے

کھل گیا بابِ قبول اور کسی پر تابش
میرے حصے میں مرا دستِ دعا ہی آئے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

کام میرے میری ناکردہ گناہی آئے
''منحرف ہیں مرے ساتھی تو خدا ہی آئے''

کیوں مرے حصے میں آتی ہیں سزائیں ساری
''میرے حق میں بھی کبھی کوئی گواہی آئے''

شہرِ دل میں مرے جب اس کی سکونت نہ رہی
''جی تو کرتا ہے یہاں روز تباہی آئے''

خاک سڑکوں کی بھی اُڑ اُڑ کے چلی آتی ہے
''یہ ضروری نہیں کھڑکی سے ہوا ہی آئے''

راستہ دیکھتے رہنے کا صلہ کچھ بھی تو ہو
''کوئی خوشبو، کوئی جھونکا، کوئی راہی آئے''

اس سے اب اس سے زیادہ کی توقع ہے فضول
''میرے حصے میں مرا دستِ دعا ہی آئے''

☆☆☆☆☆

غـــزل

ارمان نجمی

سر چھپائیں بھی کہاں خود سے گریزاں ہو کر
ہم پس پردہ بھی رہتے ہیں نمایاں ہو کر

منصب زندہ دلی کو کبھی رسوا نہ کیا
قید میں بھی رہے ہم رونق زنداں ہو کر

بھولتے ہی نہیں پھولوں کے شگفتہ چہرے
دشت میں پہنچے ہیں ہم صحن گلستاں ہو کر

دل سے جاتا رہا آسائش رفتہ کا ملال
بڑے آرام سے ہیں بے سر و ساماں ہو کر

کھینچتی ہے اسے بے آب زمیں اپنی طرف
راہ دریا کی گزرتی ہے بیاباں ہو کر

جاگتی آنکھوں کو ملتا نہیں کچھ اس کا سراغ
کھو گیا کون مرے خواب کا عنواں ہو کر

منتظر ایک تحیر کا جہاں تھا لیکن
ہم ہی گزرے نہ کبھی جادۂ امکاں ہوکر

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

ظلمت شب میں چمکتے ہیں چراغاں ہو کر
''ہم پس پردہ بھی رہتے ہیں نمایاں ہو کر''

صبح تا شام ہم اپنے ہی تعاقب میں ہیں
''سر چھپائیں بھی کہاں خود سے گریزاں ہو کر''

سب اسیرانِ چمن دیکھنے آتے ہیں ہمیں
''قید میں بھی رہے ہم رونق زنداں ہو کر''

پوچھتے ہیں کبھی خوشبو کی کہانی ہم سے
''دشت میں پہنچے ہیں ہم صحن گلستاں ہو کر''

نہ تو لُٹنے کا ہے خدشہ نہ بچانے کی سعی
''بڑے آرام سے ہیں بے سر و ساماں ہو کر''

بڑی حسرت سے تکا کرتی ہے زرخیز زمیں
''راہ دریا کی گزرتی ہے بیاباں ہو کر''

ڈھونڈتی رہتی ہیں ہر رات اسے میری نیندیں
''کھو گیا کون مرے خواب کا عنواں ہو کر''

ہمیں دیتی رہی آواز یقیں کی منزل
''ہم ہی گزرے نہ کبھی جادۂ امکاں ہو کر''

☆☆☆☆☆

غـــزل

مدحت الاختر

ایک جیسی ہے زندگی سب کی
کٹ رہی ہے بُری بھلی سب کی

میں اکیلا نہیں سمندر میں
میرے اندر ہے تشنگی سب کی

اپنا قصہ ابھی کہا بھی نہیں
سن رہا ہوں بُری بھلی سب کی

کوئی کوئی درخت ہوتا ہے
چھاؤں ہوتی نہیں گھنی سب کی

موت اب کیا کسی کو مارے گی
جان لیتی ہے زندگی سب کی

خود پہ ہنستے ہوئے بھی ڈرتے ہیں
کتنی مجبور ہے ہنسی سب کی

کوئی اپنا نظر نہیں آتا
شکل تکتا ہے اجنبی سب کی

موسم گل صدائیں دیتا ہے
پھول سب کے کلی کلی سب کی

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

غم بھی سب کے ہیں اور خوشی سب کی
"کٹ رہی ہے بُری بھلی سب کی"

ہے طریقہ گزارنے کا الگ
"ایک جیسی ہے زندگی سب کی"

میں سمندر بھی پی نہ جاؤں کہیں
"میرے اندر ہے تشنگی سب کی"

سب سخن ور ہیں ایک سامع ہوں
"سن رہا ہوں بُری بھلی سب کی"

پیڑ ہوتے ہیں کچھ کھجور کے بھی
"چھاؤں ہوتی نہیں گھنی سب کی"

جان دیتے ہیں زندگی پر سب
"جان لیتی ہے زندگی سب کی"

شکل سب اجنبی کی تکتے ہیں
"شکل تکتا ہے اجنبی سب کی"

ہاں ، مگر صرف دیکھنے کے لئے
"پھول سب کے کلی کلی سب کی"

کہہ رہی ہے ہر ایک آنکھ کمالؔ
"کتنی مجبور ہے ہنسی سب کی"

☆☆☆☆☆

غـــــزل

راحت اندوری

یہ آئینہ فسانہ ہو چکا ہے
تجھے دیکھے زمانہ ہو چکا ہے

دوائیں کیا ، دعا کیا ، بد دعا کیا
سبھی کچھ تاجرانہ ہو چکا ہے

اب آنسو بھی پُرانے ہو چکے ہیں
سمندر بھی پُرانا ہو چکا ہے

وہی ویرانیاں ہیں شہرِ دل میں
یہاں پہلے بھی آنا ہو چکا ہے

تری مصروفیت ہم جانتے ہیں
مگر موسم سہانا ہو چکا ہے

محبت میں ضروری ہیں وفائیں
یہ نسخہ اب پُرانا ہو چکا ہے

چلو اب ہجر کا بھی ہم مزہ لیں
بہت ملنا ملانا ہو چکا ہے

ہزاروں صورتیں روشن ہیں دل میں
یہ دل آئینہ خانہ ہو چکا ہے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

شکستہ اور پُرانا ہو چکا ہے
"یہ آئینہ فسانہ ہو چکا ہے"

اے میری زندگی تو سامنے آ
"تجھے دیکھے زمانہ ہو چکا ہے"

یہاں قانون ہے دو اور لو کا
"سبھی کچھ تاجرانہ ہو چکا ہے"

مزہ آتا نہیں ہے تیرنے میں
"سمندر بھی پُرانا ہو چکا ہے"

یہیں پر قافلہ لوٹا گیا تھا
"یہاں پہلے بھی آنا ہو چکا ہے"

مری آنکھوں سے بارش تو ہوئی ہے
"مگر موسم سہانا ہو چکا ہے"

یقیں اب کل کے وعدے پر ہو کیسے
"یہ نسخہ اب پُرانا ہو چکا ہے"

سبھی اکتا گئے ہیں ساتھ رہ کر
"بہت ملنا ملانا ہو چکا ہے"

بہت پتھر ادھر آنے لگے ہیں
"یہ دل آئینہ خانہ ہو چکا ہے"

☆☆☆☆☆

غـــــزل

ابراھیم اشک

دریائے نیم شب میں ہے طوفان خیر ہو
کچّا گھڑا ہے جینے کا ارمان خیر ہو

ہر روز ایک لشکرِ غم سے ہے سامنا
یہ زندگی ہے حشر کا میدان خیر ہو

پھر جیسے دل پہ ٹوٹنے والے ہیں کچھ ستم
ہونے لگیں ہیں مشکلیں آسان خیر ہو

ہے انتہا پہ آج مرا عالم جنوں
ہاتھوں میں آگیا ہے گریبان خیر ہو

دن رات اسکے دل میں دھڑکنے لگا ہوں میں
میری طرح ہے وہ بھی پریشان خیر ہو

ہونے لگا ہے کوچۂ محبوب سے گزر
بڑھنے لگا ہے عشق کا طوفان خیر ہو

دنیا بہت حسین ہے لگنے لگا ہے ڈر
لٹ جائے زاہدوں کا نہ ایمان خیر ہو

ہراک قدم پہ ہوں گی محبت میں لغزشیں
وہ بھی ہمارے جیسا ہے نادان خیر ہو

اک دل ہے وہ بھی ٹوٹا ہوا اور نامراد
اپنے سفر کا بس یہ ہے سامان خیر ہو

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

مشکل میں پڑ گئی ہے مری جان خیر ہو
"ہونے لگیں ہیں مشکلیں آسان خیر ہو"

پتوار بھی شکستہ ہے بازو بھی شل مرے
"دریائے نیم شب میں ہے طوفاں خیر ہو"

دریا ہے پار کرنا مہیوال کی طرح
"کچا گھڑا ہے جینے کا ارمان خیر ہو"

کوئی کسی کو جانتا پہچانتا نہیں
"یہ زندگی ہے حشر کا میدان خیر ہو"

دامن کو تار تار تو کر ہی چکا ہوں میں
"ہاتھوں میں آگیا ہے گریبان خیر ہو"

اسکی طرح سے میں بھی بہت شادماں نہیں
"میری طرح ہے وہ بھی پریشان خیر ہو"

بادہ کشوں کی دیکھ کے مستی، سرور و کیف
"لٹ جائے زاہدوں کا نہ ایمان خیر ہو"

دنیا سے اس کا رابطہ بڑھنے لگا بہت
"وہ بھی ہمارے جیسا ہے نادان خیر ہو"

میں ہوں، کسی کی یاد ہے اور دل پہ چند زخم
"اپنے سفر کا بس یہ ہے سامان خیر ہو"

رستے میں جو بھی آئے گا اُڑ جائے گا کمالؔ
"بڑھنے لگا ہے عشق کا طوفان خیر ہو"

☆☆☆☆☆

غـــزل

راشد جمال فاروقی

ہمارے ساتھ ہمیشہ یہی تماشا رہا
کہ جس کو خود سا سمجھتے رہے خدا سا رہا

ہم اپنے آپ میں گم تو رہے سدا لیکن
ہمارا ربط بھی سب سے ذرا ذرا سا رہا

کہ دور ہو کے بھی اس سے نہ دور ہو پائے
نواحِ جان میں کوئی صدا لگاتا رہا

کوئی خفا نہ رہے مجھ سے بس اسی دھن میں
میں اپنے آپ سے اکثر خفا خفا سا رہا

انا کی قید ہی وہ تھی کہ کب رہائی ہوئی
وہ سب قریب جو تھے ان سے فاصلہ سا رہا

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

تمام عمر شناسا بھی ناشناسا رہا
"ہمارے ساتھ ہمیشہ یہی تماشا رہا"

تعلقات کا عقدہ کھلا ہے اب جا کر
"کہ جس کو خود سا سمجھتے رہے خدا سا رہا"

تمام لوگ بھی ہم سے کھنچے کھنچے سے رہے
"ہمارا ربط بھی سب سے ذرا ذرا سا رہا"

ہمارے چاروں طرف جب بھی چھائی خاموشی
"نواحِ جان میں کوئی صدا لگاتا رہا"

اس ایک شخص کے بے حد قریب ہونے سے
"وہ سب قریب جو تھے ان سے فاصلہ سا رہا"

کیا تھا ترکِ تعلق کمالؔ اس نے ، مگر
"میں اپنے آپ سے اکثر خفا خفا سا رہا"

☆☆☆☆☆

غـــــزل

شاھد کلیم

بانہوں کا سہارا کیا صرف دو قدم چل کر
تھک کے بیٹھ جاتے ہیں راستے میں ہم چل کر

اب سمجھ میں آئی ہے قدر روشنائی کی
خونِ دل سے کیا لکھتے رک گیا قلم چل کر

چاند نے بلایا ہے دل نشیں اشاروں سے
آسماں پہ جا پہنچوں کاش دم بہ دم چل کر

پا شکستہ ہو کر تم راستے میں بیٹھے ہو
پا چکا ہوں منزل میں کم بہت ہی کم چل کر

آپ ہم بلاتے ہیں کھینچ کر نئی دیوار
خود بخود نہیں آتا گھر میں کوئی غم چل کر

میرے پاؤں پتھر کے ہوگئے تو کیا شاؔھد
کوئی بھی نہیں جاتا جانبِ عدم چل کر

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

سر کریں گے ہر منزل ساتھ ہم چل کر
''بانہوں کا سہارا کیا صرف دو قدم چل کر''

اب سمجھ میں آیا ہے ہوتی کیا ہے تنہائی
''تھک کے بیٹھ جاتے ہیں راستے میں ہم چل کر''

رازِ دل عیاں ہوگا ، اپنا ہی زیاں ہوگا
''خونِ دل سے کیا لکھتے رک گیا قلم چل کر''

تم جو میرے ساتھ آئے دل میں آرزو جاگی
''آسماں پہ جا پہنچوں کاش دم بہ دم چل کر''

چلنے کا ہنر ہو تو راستے سمٹتے ہیں
''پا چکا ہوں منزل میں کم بہت ہی کم چل کر''

کوئی تو سبب ہوگا ، وجہ کچھ نہ کچھ ہوگی
''خود بخود نہیں آتا گھر میں کوئی غم چل کر''

زندگی ہے ہرجائی سب کو ہے پتہ لیکن
''کوئی بھی نہیں جاتا جانبِ عدم چل کر''

☆☆☆☆☆

غـــــزل

حیدر قریشی

مرے بدن پہ ترے وصل کے گلاب لگے
یہ میری آنکھوں میں کس رُت میں کیسے خواب لگے

نہ پورا سوچ سکوں، چھو سکوں، نہ پڑھ پاؤں
کبھی وہ چاند، کبھی گل، کبھی کتاب لگے

نہیں ملا تھا تو برسوں گزر گئے یوں ہی
پر اب تو اس کے بنا ہر گھڑی عذاب لگے

تمہارے ملنے کا مل کر بھی کب یقیں آیا
یہ سلسلہ ہی محبت کا اک سراب لگے

یہ میرے جسم پہ کیسا خمار چھایا ہے
تمہارے جسم میں شامل مجھے شراب لگے

ہمیں تو اچھا ہی لگتا رہے گا وہ حیدرؔ
بلا سے ہم اسے اچھے لگے خراب لگے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

وہ اک حسین حسیں مجھ کو بے حساب لگے
"کبھی وہ چاند، کبھی گل، کبھی کتاب لگے"

مہک اُٹھا ہوں اسی دن سے میں کہ جس دن سے
"مرے بدن پہ ترے وصل کے گلاب لگے"

شبِ فراق ترا جسم ہے نگاہوں میں
"یہ میری آنکھوں میں کس رُت میں کیسے خواب لگے"

کوئی کوئی ہی گھڑی کل عذاب لگتی تھی
"پر اب تو اس کے بنا ہر گھڑی عذاب لگے"

مرا جنون بھی بڑھتا ہے تشنگی کی طرح
"یہ سلسلہ ہی محبت کا اک سراب لگے"

نشہ بھی بڑھتا ہے اور تشنگی بھی رہتی ہے
"تمہارے جسم میں شامل مجھے شراب لگے"

ہمیں تو اس کے تنفّر سے بھی محبت ہے
"بلا سے ہم اسے اچھے لگے خراب لگے"

☆☆☆☆

غـــــزل

رؤف خیر

زباں پہ حرف تو انکار میں نہیں آتا
یہ مرحلہ ہی کبھی پیار میں نہیں آتا

کھلے گا ان پہ جو بین السطور پڑھتے ہیں
وہ حرف حرف جو اخبار میں نہیں آتا

سمجھنے والے یقیناً سمجھ ہی لیتے ہیں
ہمارا درد جو اظہار میں نہیں آتا

یہ خاندان ہمارا بکھر گیا جب سے
مزہ ہمیں کسی تہوار میں نہیں آتا

ہمارے حق میں تو وہ چاند اور سورج ہے
بہت دنوں سے جو دیدار میں نہیں آتا

کمال یہ ہے کہ ہم خواب دیکھتے ہی نہیں
کہ خواب دیدۂ بیدار میں نہیں آتا

ہمارا شعر سمجھنے کی کچھ تو کوشش کر
یہ کیا نوشتۂ دیوار میں نہیں آتا

قلم کی کاٹ تو تلوار سے بھی بڑھ کر ہے
مگر شمار یہ ہتھیار میں نہیں آتا

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

یہ حوصلہ لب اظہار میں نہیں آتا
"زباں پہ حرف تو انکار میں نہیں آتا"

میں اپنا حالِ غمِ دل کبھی سناؤں اسے
"یہ مرحلہ ہی کبھی پیار میں نہیں آتا"

خموشیوں کی زباں سے بیان ہوتا ہے
"وہ حرف حرف جو اخبار میں نہیں آتا"

ہمارے شعروں میں بین السطور رہتا ہے
"ہمارا درد جو اظہار میں نہیں آتا"

ہم اس کو دل کی نگاہوں سے دیکھ لیتے
"بہت دنوں سے جو دیدار میں نہیں آتا"

یہ پہلے ہم بھی سمجھتے تھے لیکن آج نہیں
"کہ خواب دیدۂ بیدار میں نہیں آتا"

ستم کے مارے ہوئے کیوں خموش ہیں، سوچو
"یہ کیا نوشتۂ دیوار میں نہیں آتا"

نظر کا تیر بھی دل پاش پاش کرتا ہے
"مگر شمار یہ ہتھیار میں نہیں آتا"

بچھڑ کے اس سے نہ دیوالی ہے نہ عید کمالؔ
"مزہ ہمیں کسی تہوار میں نہیں آتا"

☆☆☆☆☆

غـــزل

فاروق جائسی

اس حقیقت کو سب نے مانا ہے
جو بھی آیا ہے اس کو جانا ہے

اس کے منہ تک پہنچ ہی جانا ہے
جس کی قسمت کا آب و دانہ ہے

موت آئی تھی لے گئی اس کو
حادثہ تو فقط بہانہ ہے

ان کے قدموں میں جان دے دینا
موت کو زندگی بنانا ہے

بام و در کو سجا لیا جائے
میرے گھر آج ان کو آنا ہے

میرے غم سے ہو ان کو کیوں تکلیف
سامنے سب کے مسکرانا ہے

کہیں غم ہے کہیں خوشی فاروقؔ
یہ تو قدرت کا کارخانہ ہے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

جو نہیں مانے وہ دوانہ ہے
”جو بھی آیا ہے اس کو جانا ہے“

میں ہوں اظہار عشق کا اک لفظ
”اس کے منھ تک پہنچ ہی جانا ہے“

کس کی ہمت ہے چھین لے اس سے
”جس کی قسمت کا آب و دانہ ہے“

مجھ کو برباد ہونا تھا ، میں ہوا
”حادثہ تو فقط بہانہ ہے“

زندگی موت بن گئی ہے اب
”موت کو زندگی بنانا ہے“

کاش افواہ سچ یہ ہو جائے
”میرے گھر آج ان کو آنا ہے“

کچھ تو محفل کا احترام کرو
”سامنے سب کے مسکرانا ہے“

تیری میری یہاں نہیں چلتی
”یہ تو قدرت کا کارخانہ ہے“

شاعری کرتا ہے کمالؔ اچھی
”اس حقیقت کو سب نے مانا ہے“

☆☆☆☆

غــــزل

حنیف ترین

وہ کہانی کے مزے لیتا رہا
میں معانی کے مزے لیتا رہا
اپنے ہی لہجے کی خوشبو سے کوئی
خوش بیانی کے مزے لیتا رہا
میں یہ کس نادیدہ غم سے جوجھ کر
شادمانی کے مزے لیتا رہا
نور و ظلمت ہو گئے باہم تو میں
خوش گمانی کے مزے لیتا رہا
ایک دہقاں چلچلاتی دھوپ میں
سائبانی کے مزے لیتا رہا
زاغ اُڑا اک مردہ بدبو کی طرف
ہنس پانی کے مزے لیتا رہا
ڈوب کر میں شاعری میں داغؔ کی
گل فشانی کے مزے لیتا رہا

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

زندگانی کے مزے لیتا رہا
”خوش گمانی کے مزے لیتا رہا“

کہتے کہتے میری آنکھیں نم ہوئیں
”وہ کہانی کے مزے لیتا رہا“

وہ تھا گم آرائشِ الفاظ میں
”میں معانی کے مزے لیتا رہا“

وہ مجھے بہلا رہا تھا اور میں
”خوش بیانی کے مزے لیتا رہا“

کوئی بھی موسم رہا ہو، میں سدا
”سائبانی کے مزے لیتا رہا“

ایک کوا کر رہا تھا کائیں کائیں
”ہنس پانی کے مزے لیتا رہا“

سنگ دستِ یار کی بارش میں میں
”گل فشانی کے مزے لیتا رہا“

میں غموں کی بھیڑ میں بھی اے کمالؔ
”شادمانی کے مزے لیتا رہا“

☆☆☆☆☆

غزل

سیفی سرونجی

کہاں سے لاؤں میں دلچسپیاں کہانی میں
کہ میں نے دیکھی ہے غربت بھری جوانی میں

بکھر چکی ہے مری سلطنت مگر پھر بھی
ابھی تلک ہے مرا رعب راجدھانی میں

سنا ہے جب سے سمندر کے پار رہتے ہو
بنا کے چھوڑ دی کاغذ کی ناؤ پانی میں

رکھوں گا پاس ہمیشہ تری امانت کو
دیئے ہیں زخم جو تو نے مجھے نشانی میں

ہر ایک شخص کی منزل ہے آخرت سیفی
سکون کس کو ملا ہے حیات فانی میں

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

لگی ہوئی نظر آتی ہے آگ پانی میں
"کہ میں نے دیکھی ہے غربت بھری جوانی میں"

کوئی پری ہے نہ راجا نہ کوئی رانی ہے
"کہاں سے لاؤں میں دلچسپیاں کہانی میں"

یہ اور بات رسائی مری نہیں ، لیکن
"ابھی تلک ہے مرا رعب راجدھانی میں"

مرے سفر کی جو روداد ہے وہ اتنی ہے
"بنا کے چھوڑ دی کاغذ کی ناؤ پانی میں"

میں مندمل کبھی ہونے انہیں نہیں دیتا
"دیئے ہیں زخم جو تو نے مجھے نشانی میں"

ہے زندگی تو دھڑکتا رہے گا دل پیہم
"سکون کس کو ملا ہے حیات فانی میں"

☆☆☆☆☆

غــــزل

رونق شہری

وقت کے پاؤں سے ہر نقش مٹا ہو جیسے
سازشی جال سا رستے میں بچھا ہو جیسے

خوف کا ایسا تصور نہیں دیکھا ہوگا
ذہن پر کیل کی مانند اُگا ہو جیسے

دکھ سے خود اپنے ہی محروم سماعت ہوں میں
میرے اندر کہیں کچھ ٹوٹ رہا ہو جیسے

بھیڑ کیوں راستہ دیتی نہیں آخر سب کو
راستہ ایک ہی چلنے کو بچا ہو جیسے

ذہن پر یونہی نہیں زخم قرابت داری
یہ مرض بھی مجھے ورثے میں ملا ہو جیسے

اس کی ناراضگی میں کرب چھپا ہے شاید
چلنے سے پہلے مجھے روک رہا ہو جیسے

منکشف رب پہ غرض اپنی ہے رونقؔ شہری
مدعا کوئی مرا مانگ چکا ہو جیسے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

دل میں وہ خار کی مانند چھپا ہو جیسے
"ذہن پر کیل کی مانند اُگا ہو جیسے"

نہیں چنگیز و سکندر کی سلامت قبریں
"وقت کے پاؤں سے ہر نقش مٹا ہو جیسے"

کہیں ہے میل کا پتھر نہ کوئی قطب نما
"سازشی جال سا رستے میں بچھا ہو جیسے"

میں بظاہر تو سلامت ہوں مگر لگتا ہے
"میرے اندر کہیں کچھ ٹوٹ رہا ہو جیسے"

اس کے کوچے میں ہے ہر شخص کا آنا جانا
"راستہ ایک ہی چلنے کو بچا ہو جیسے"

ترک کرتا نہیں میں سب پہ بھروسہ کرنا
"یہ مرض بھی مجھے ورثے میں ملا ہو جیسے"

دمِ رخصت مجھے اس طرح سے دیکھا اس نے
"چلنے سے پہلے مجھے روک رہا ہو جیسے"

وہ تو واقف ہے مری عرضِ تمنا سے کمالؔ
"مدعا کوئی مرا مانگ چکا ہو جیسے"

☆☆☆☆☆

غــــزل

ساجد حمید

اتنا محتاط ہے کیوں چل مرے ساتھ
میرے ہمزاد ذرا جل مرے ساتھ

آج پلکوں سے زمیں جھاڑتے ہیں
کوئی ہمراہ نہ تھا کل مرے ساتھ

اک نشہ چاہئے جینے کے لئے
تم گزارونا کوئی پل مرے ساتھ

دل میں شعلہ سا لپک اُٹھتا ہے
جب بھی کرتی ہے ہوا چھل مرے ساتھ

شام کی شاخ سے نیچے تو اُتر
تجھ میں گر حوصلہ ہے ڈھل مرے ساتھ

انتہا ہے مری تنہائی کی
گو ستاروں کا ہے بادل مرے ساتھ

کون ساعت تھی نہیں یاد حمیدؔ
اس نے چکھا تھا مگر پھل مرے ساتھ

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

کسی سورج کی طرح جل مرے ساتھ
”تجھ میں گر حوصلہ ہے ڈھل مرے ساتھ“

ہم سفر ہوں ترا رہبر تو نہیں
”اتنا محتاط ہے کیوں چل مرے ساتھ“

آگ تو نے ہی یہ روشن کی ہے
”میرے ہمزاد ذرا جل مرے ساتھ“

شاید اس واسطے منزل پہ ہوں آج
”کوئی ہمراہ نہ تھا کل مرے ساتھ“

زندگی بھر کا وہ حاصل ہوگا
”تم گزارو نا کوئی پل مرے ساتھ“

اپنی شمعوں کو بجھا دیتا ہوں
”جب بھی کرتی ہے ہوا چھل مرے ساتھ“

چاند کوئی نظر آتا ہی نہیں
”گو ستاروں کا ہے بادل مرے ساتھ“

میں اکیلا ہی زمیں پر آیا
”اس نے چکّھا تھا مگر پھل مرے ساتھ“

☆☆☆☆☆

غـــــزل

رئیس الدین رئیس

مدتوں بھٹکا ہوں میں اب کوئی رستہ دیدے
یا مرے سر کے لئے ابر کا ٹکڑا دیدے

آئینے کب سے بتاتے ہیں مجھے بے چہرہ
میرے خاموش صحیفے مجھے چہرہ دیدے

تھک گئیں آسماں تکتے ہوئے میری آنکھیں
میں ہوں صحرا تو مجھے بھی کوئی دریا دیدے

اپنی آواز سے تصویر بنا دوں تیری
میرے بکھرے ہوئے لفظوں کو سراپا دیدے

اس کی ہر جنبشِ ابرو کو میں پہچانتا ہوں
لاکھ اے چشمِ ہنر تو مجھے دھوکا دیدے

اشک بھی برف کی مانند نہ جم جائیں رئیس
اس سے کہنا کہ بس اک لمس کا لہرا دیدے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

یا مجھے دھوپ میں چلنے کا سلیقہ دیدے
''یا مرے سر کے لئے ابر کا ٹکڑا دیدے''

میری وحشت! تجھے منزل کی قسم دیتا ہوں
''مدتوں بھٹکا ہوں میں اب کوئی رستہ دیدے''

میری آواز پہ لوگوں کو یقیں آتا نہیں
''میرے خاموش صحیفے مجھے چہرہ دیدے''

میری تنہائی کے دن ختم بھی ہوجائیں کبھی
''میں ہوں صحرا تو مجھے بھی کوئی دریا دیدے''

حسن بن کر میری غزلوں میں سما جا تو کبھی
''میرے بکھرے ہوئے لفظوں کو سراپا دیدے''

چشم باطن مجھے پہچان بتا دیتی ہے
''لاکھ اے چشمِ ہنر تو مجھے دھوکا دیدے''

عمر بھر کے لئے محفوظ میں کرلوں گا کمالؔ
''اس سے کہنا کہ بس اک لمس کا لہرا دیدے''

☆☆☆☆☆

غـــــزل

ارشد عبدالحمید

تصورات کی جادوگری ہے کتنی دیر
تمہاری دید کی آسودگی ہے کتنی دیر

دعائے وصل بھی آخر کو لوٹ آئے گی
کوئی اُمید فلک پر رہی ہے کتنی دیر

سحر کو پھر وہی سورج ، وہی اندھیرا ہے
چراغِ خواب تری روشنی ہے کتنی دیر

بس ایک ساعتِ فرقت بس ایک ساعتِ وصل
ہمارا رنج ، ہماری خوشی ہے کتنی دیر

تو اگلے پل ہی جہاں کو گلے لگا لے گا
مرے مزاج ! تری برہمی ہے کتنی دیر

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

خیال و خواب کی دنیا رہی ہے کتنی دیر
''تصورات کی جادوگری ہے کتنی دیر''

ہماری آنکھوں کو یہ بات تو بتاؤ ذرا
''تمہاری دید کی آسودگی ہے کتنی دیر''

ہر اک عروج کو اک دن زوال آتا ہے
''کوئی اُمید فلک پر رہی ہے کتنی دیر''

نہ جانے کون سی آہٹ پہ آنکھ کھل جائے
''چراغِ خواب تری روشنی ہے کتنی دیر''

وہ مسکرا کے تجھے دیکھے گا ، تو ہنس دے گا
''مرے مزاج ! تری برہمی ہے کتنی دیر''

کمالؔ ہم تو دوانے ہیں ، ہم قلندر ہیں
''ہمارا رنج ، ہماری خوشی ہے کتنی دیر''

☆☆☆☆☆

غـــــزل

کلیم قیصر

اتفاقاً جو مسکراتے ہیں
ضبطِ غم کی ہنسی اُڑاتے ہیں

جن کے چہرے پہ سو خراشیں ہیں
وہ ہمیں آئنہ دکھاتے ہیں

اے خوشی تھوڑی دیر تو رک جا
غم زدہ لوگ مسکراتے ہیں

ہم قلندر مزاج جتنے ہیں
عشق کو اوڑھتے بچھاتے ہیں

جس میں ہم بھی ہیں اور دنیا بھی
شعر وہ آپ کو سناتے ہیں

سب پتہ ہے کہ وہ کدھر کا ہے
دوستی ہے ، نبھائے جاتے ہیں

منزلوں پر پہنچ گئے ہیں جو
ان سے کہیئے کہ ہم بھی آتے ہیں

☆☆☆☆

آدھی غزل

عشق پیتے ہیں ، عشق کھاتے ہیں
"عشق کو اوڑھتے بچھاتے ہیں"

ان سے کہیے کہ یہ غنیمت ہے
"اتفاقاً جو مسکراتے ہیں"

خود جنھیں آئنوں کی حاجت ہے
"وہ ہمیں آئنہ دکھاتے ہیں"

آؤ تصویر کھینچ لیں ان کی
"غمزدہ لوگ مسکراتے ہیں"

آپ کے ہجر میں کہے ہیں جو
"شعر وہ آپ کو سناتے ہیں"

زندگی ہے تو جینا پڑتا ہے
"دوستی ہے ، نبھائے جاتے ہیں"

پھر چلے ہیں حُسین کربل کو
"ان سے کہیے کہ ہم بھی آتے ہیں"

اے کمالؔ آج قہقہے میرے
"ضبط غم کی ہنسی اُڑاتے ہیں"

☆☆☆☆

غـــــزل

خورشید اکبر

بات نکلی ہے مگر بات نہیں رہنے کی
دن نکل آئے گا یہ رات نہیں رہنے کی

ایک لمحے میں بہت کچھ ہے بدل جانے کو
عمر بھر ایک ملاقات نہیں رہنے کی

اے بیاباں ! تجھے خود میں نے پناہیں دی ہیں
میرے گھر میں تری اوقات نہیں رہنے کی

تو سخی ہے تو بتا ، خود پہ کفایت کیسی
پر ہمیشہ تو یہ بہتات نہیں رہنے کی

رات ہے ، جشن کا ماحول ہے ، سرشاری ہے
رخصتی بعد یہ بارات نہیں رہنے کی

آپ چاہیں تو شہادت بھی نہیں کم لیکن
آپ کی ساری کرامات نہیں رہنے کی

کوئی یہ کہہ دے ذرا تشنہ لبوں سے خورشیدؔ
مدتوں شہر میں برسات نہیں رہنے کی

☆☆☆☆

آدھی غزل

یہ جو دنیا ہے ترے ساتھ نہیں رہنے کی
''عمر بھر ایک ملاقات نہیں رہنے کی''

باتوں باتوں میں مری بات نکل آئی ہے
''بات نکلی ہے مگر بات نہیں رہنے کی''

اے چراغو کرو کچھ اور اُجالا کچھ دیر
''دن نکل آئے گا یہ رات نہیں رہنے کی''

اے غمِ یار مرے دل میں سلیقے سے رہ
''میرے گھر میں تری اوقات نہیں رہنے کی''

درد بڑھتا ہے تو کہتا ہوں میں اکثر دل سے
''پر ہمیشہ تو یہ بہتات نہیں رہنے کی''

اور کچھ دیر رہے گی یہ خوشی کی دلہن
''رخصتی بعد یہ بارات نہیں رہنے کی''

آپ کی جادو بیانی کا بھرم ٹوٹے گا
''آپ کی ساری کرامات نہیں رہنے کی''

کہہ دو نالوں سے زیادہ نہیں اُچھلیں کودیں
''مدتوں شہر میں برسات نہیں رہنے کی''

☆☆☆☆

غـــــزل

عالم خورشید

ابھی دریا میں طغیانی بہت ہے
اُتر جائیں کہ آسانی بہت ہے

ادھر ہے تشنگی حد سے زیادہ
سمندر میں جدھر پانی بہت ہے

کبھی صحرا کی جانب آ کے دیکھو
اگر شہروں میں ویرانی بہت ہے

مجھے کیوں لگ رہی ہے اجنبی سی
جو دنیا جانی پہچانی بہت ہے

اسے ٹھکرا کے کیسے جی رہا ہوں
زمانے کو یہ حیرانی بہت ہے

بلا سے چاند روشن ہے فلک پر
مرے جگنو میں تابانی بہت ہے

تو کیا میں بھی یہاں پیاسا مروں گا
مری آنکھوں میں بھی پانی بہت ہے

خدا ، دانشوری سے دور رکھنا
اگرچہ مجھ میں نادانی بہت ہے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

اسی سے مل کے حیرانی بہت ہے
"جو دنیا جانی پہچانی بہت ہے"

سفینے سب ملیں گے ساحلوں پر
"ابھی دریا میں طغیانی بہت ہے"

چڑھائی جن کو مشکل لگ رہی ہو
"اُتر جائیں کہ آسانی بہت ہے"

میں کشتی کو اُدھر لے کر چلا ہوں
"سمندر میں جدھر پانی بہت ہے"

ہیں اہلِ شہر ذمہ دار اس کے
"اگر شہروں میں ویرانی بہت ہے"

کبھی حیران کیوں ہوتا نہیں میں
"زمانے کو یہ حیرانی بہت ہے"

ستارے آسماں سے تک رہے ہیں
"مرے جگنو میں تابانی بہت ہے"

سمندر اتنا کیوں اٹھلا رہا ہے
"مری آنکھوں میں بھی پانی بہت ہے"

کبھی دانائی بھی کرلیتا ہوں میں
"اگرچہ مجھ میں نادانی بہت ہے"

☆☆☆☆

غـــزل

فرحت احساس

ہر گلی کوچے میں رونے کی صدا میری ہے
شہر میں جو بھی ہوا ہے وہ خطا میری ہے
یہ جو ہے خاک کا اک ڈھیر بدن ہے میرا
وہ جو اُڑتی ہوئی پھرتی ہے قبا میری ہے
وہ جو اک شور سا برپا ہے عمل ہے میرا
یہ جو تنہائی برستی ہے سزا میری ہے
میں نہ چاہوں تو نہ کھل پائے کہیں ایک بھی پھول
باغ تیرا ہے مگر باد صبا میری ہے
ایک ٹوٹی ہوئی کشتی سا بنا بیٹھا ہوں
نہ یہ مٹی ، نہ یہ پانی ، نہ ہوا میری ہے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

جو اُڑائے لئے جاتی ہے ہوا میری ہے
”وہ جو اُڑتی ہوئی پھرتی ہے قبا میری ہے“

میرا ہر درد زمانے میں ہے پھیلا ہر سو
”ہر گلی کوچے میں رونے کی صدا میری ہے“

شہر میں جیسے کہ قائم ہو حکومت میری
”شہر میں جو بھی ہوا ہے وہ خطا میری ہے“

کبھی محفل کا میں دیوانہ ہوا کرتا تھا
”یہ جو تنہائی برستی ہے سزا میری ہے“

تیری محفل میں مرا ذکر نہ ہوگا کیسے
”باغ تیرا ہے مگر بادِ صبا میری ہے“

میں تو انجان زمیں پر ہوں کھڑا ایک درخت
”نہ یہ مٹی، نہ یہ پانی، نہ ہوا میری ہے“

☆☆☆☆☆

غـــــزل

شمیم قاسمی

حسن پر کیجئے ضرور گھمنڈ
عشق کر دے گا چُور چُور گھمنڈ

اب کہاں ڈھونڈنے سے ملتے ہیں
وہ جو رکھتے تھے خود سے دور گھمنڈ

رُخِ خورشید پر عیاں تو ہو
توڑ ڈالے گا ماہ نور گھمنڈ

رہ گیا صرف لکھنوی لہجہ
لے گئے لوگ کانپور گھمنڈ

میلوں اُڑتے ہیں زور بازو سے
اور کرتے نہیں طیور گھمنڈ

ہے تکبر ادائے مطلب میں
ترک ہو شعر سے حضور گھمنڈ

میری فطرت میں ہے انا شامل
اس کو کہتے نہیں غرور ، گھمنڈ

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

ہاں ، بہت چچّا ہے غرور ، گھمنڈ
"حسن پر کیجیے ضرور گھمنڈ"

حسن والوں سے جا کے کہہ دے کوئی
"عشق کر دے گا چُور چُور گھمنڈ"

آ گئے عاجزی سے اب عاجز
"وہ جو رکھتے تھے خود سے دور گھمنڈ"

یہ دیے جو بہت چمکتے ہیں
"توڑ ڈالے گا ماہ نور گھمنڈ"

سیر کرتے ہیں آسمانوں کی
"اور کرتے نہیں طیور گھمنڈ"

زیب دیتا نہیں غزل میں یہ
"ترک ہو شعر سے حضور گھمنڈ"

میری خودداری میری دولت ہے
"اس کو کہتے نہیں غرور ، گھمنڈ"

کبھی مت جانا کان پور کمالؔ
"لے گئے لوگ کان پور گھمنڈ"

☆☆☆☆☆

غـــــزل

راجیش ریڈی

اب کیا بتائیں ٹوٹے ہیں کتنے کہاں سے ہم
خود کو سمیٹتے ہیں یہاں سے وہاں سے ہم

کیا جانے کس جہاں میں ملے گا ہمیں سکوں
ناراض ہیں زمیں سے خفا آسماں سے ہم

اب تو سراب ہی سے بجھانے لگے ہیں پیاس
لینے لگے ہیں کام یقیں کا گماں سے ہم

لیکن ہماری آنکھوں نے کچھ اور کہہ دیا
کچھ اور کہتے رہ گئے اپنی زباں سے ہم

آئینے سے الجھتا ہے جب بھی ہمارا عکس
ہٹ جاتے ہیں بچا کے نظر درمیاں سے ہم

ملتے نہیں ہیں اپنی کہانی میں ہم کہیں
غائب ہوئے ہیں جب سے تری داستاں سے ہم

کیا جانے کس نشانے پہ جا کر لگیں گے کب
چھوڑے تو جا چکے ہیں کسی کی کماں سے ہم

غم بک رہے تھے میلے میں خوشیوں کے نام پر
مایوس ہو کے لوٹے ہیں ہر اک دکاں سے ہم

کچھ روز منظروں سے جب اُٹھا نہیں دھواں
گزرے ہیں سانس روک کے امن و اماں سے ہم

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

پوری طرح شکستہ ہوئے جسم و جاں سے ہم
"اب کیا بتائیں ٹوٹے ہیں کتنے کہاں سے ہم"

اس بار یوں چلیں تری یادوں کی آندھیاں
"خود کو سمیٹتے ہیں یہاں سے وہاں سے ہم"

ہم تو اسی سبب سے ہیں تنہائی کے شکار
"ناراض ہیں زمیں سے خفا آسماں سے ہم"

اب تو یقیں پہ ہم کو یقیں ہی نہیں رہا
"لینے لگے ہیں کام یقیں کا گماں سے ہم"

جب جنگ عقل و دل میں ہے ہوتی ترے سبب
"ہٹ جاتے ہیں بچا کے نظر درمیاں سے ہم"

دنیا ہمارے بارے میں کچھ اور کہہ گئی
"کچھ اور کہتے رہ گئے اپنی زباں سے ہم"

پھر اس کے بعد ہم تو کہیں کے نہیں رہے
"غائب ہوئے ہیں جب سے تری داستاں سے ہم"

چبھنا ہے کس کے دل میں بتایا نہیں گیا
"چھوڑے تو جا چکے ہیں کسی کی کماں سے ہم"

جس شئے کی تھی طلب وہ کہیں بھی نہیں ملی
"مایوس ہو کے لوٹے ہیں ہر اک دکاں سے ہم"

کچھ اس قدر ہوئے ہیں تشدد کے واقعات
"گزرے ہیں سانس روک کے امن واماں سے ہم"

☆☆☆☆☆

غـــــزل

شکیل جمالی

مزاج کا کوئی دار و مدار ہوتا نہیں
ہمی سے آج ترا انتظار ہوتا نہیں

بڑا دبیز اندھیرا ہے بے یقینی کا
وہ سامنے ہے مگر اعتبار ہوتا نہیں

کس اعتماد سے دوزخ کما رہی ہے یہ خلق
گناہ کر کے کوئی شرمسار ہوتا نہیں

کئی اُصول بھی چھلنی ہوئے ہیں جسم کے ساتھ
سنا تو یہ تھا نہتے پہ وار ہوتا نہیں

ہمی تو ہیں جو یہ گنجائشیں نکالتے ہیں
غزل میں ویسے ہرن کا شکار ہوتا نہیں

کئی عظیم ، کئی لازوال ہیں لیکن
غزل میں میرؔ سے کم کا شمار ہوتا نہیں

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

بہت حسیں بھی کوئی ہو تو پیار ہوتا نہیں
''مزاج کا کوئی دار و مدار ہوتا نہیں''

ہمی چراغ سرِ رہ جلائے رکھتے تھے
''ہمی سے آج ترا انتظار ہوتا نہیں''

یہ معجزہ ہے، حقیقت ہے، خواب ہے کیا ہے
''وہ سامنے ہے مگر اعتبار ہوتا نہیں''

خدا کی بخششیں نازل بھی ہوں تو کس پر ہوں
''گناہ کر کے کوئی شرمسار ہوتا نہیں''

اسی فریب میں مارے گئے بہ آسانی
''سنا تو یہ تھا نہتے پہ وار ہوتا نہیں''

ہر ایک بات سلیقے سے کہنی پڑتی ہے
''غزل میں ویسے ہرن کا شکار ہوتا نہیں''

اسی سبب سے سبھی خود کو میرؔ کہتے ہیں
''غزل میں میرؔ سے کم کا شمار ہوتا نہیں''

☆☆☆☆☆

غـــــزل

خورشید طلب

کہاں کسی کا بنایا ہوا بناتے ہیں
نیا بناتے ہیں جب ہم نیا بناتے ہیں

کسی کا نقش بناتے ہیں لوحِ دل پہ ہم
کسی کا عکس سرِ آئنہ بناتے ہیں

نیا بنانے کی حسرت کبھی نہیں مرتی
نئے سرے سے نئے کو نیا بناتے ہیں

میں اک زمین ہوں امن و اماں کی متلاشی
مرے عزیز مجھے کربلا بناتے ہیں

ہماری دشت نوردی کو گمرہی نہ سمجھ
بھٹکنے والے نیا راستا بناتے ہیں

کہیں بھی جائیں کسی شہر میں سکونت ہو
ہم اپنی طرز کی آب و ہوا بناتے ہیں

زمینیں تنگ ہوئی جاری ہیں دل کی طرح
ہم اب مکان نہیں مقبرہ بناتے ہیں

طلبؔ جو لوگ قناعت پسند ہوتے ہیں
وہ زندگی کو کہاں مسئلہ بناتے ہیں

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

کوئی سمجھ نہیں پاتا کہ کیا بناتے ہیں
"نیا بناتے ہیں جب ہم نیا بناتے ہیں"

جو ہم بناتے ہیں کوئی بنا نہیں پاتا
"کہاں کسی کا بنایا ہوا بناتے ہیں"

کسی کا چہرہ ہمیشہ نظر میں رہتا ہے
"کسی کا عکس سرِ آئنہ بناتے ہیں"

نیا نیا بھی پُرانا پُرانا لگتا ہے
"نئے سرے سے نئے کو نیا بناتے ہیں"

کوئی حسین تو کوئی یزید بنتا ہے
"مرے عزیز مجھے کربلا بناتے ہیں"

بھٹکنے والے نہیں ہوں تو رہنما بھی نہ ہوں
"بھٹکنے والے نیا راستا بناتے ہیں"

ہمیشہ جیتے ہیں ہم لوگ اپنی شرطوں پر
"ہم اپنی طرز کی آب و ہوا بناتے ہیں"

دریچے کھلتے نہیں ہیں کسی کی آہٹ پر
"ہم اب مکان نہیں مقبرہ بناتے ہیں"

جو زندگی کی حقیقت کو جانتے ہیں کمالؔ
"وہ زندگی کو کہاں مسئلہ بناتے ہیں"

☆☆☆☆☆

غـــــزل

راشد طراز

ملتا کہاں یہ نام و نشاں درد کے بغیر
روشن نہیں تھا میرا جہاں درد کے بغیر

رقصاں بدن کو ہونا تھا زنداں کی قید میں
زنجیر بولتی ہے کہاں درد کے بغیر

روشن ہیں جب ملا ہے دو عالم کا گنجِ غم
خود پر بھی ہم کہاں تھے عیاں درد کے بغیر

دیوانہ چاہتا ہے جماعت کی آب و تاب
صحرا میں کون دے گا اذاں درد کے بغیر

رشتوں کا احترام ہے لازم مکین پر
آتا نہیں ہے راس مکاں درد کے بغیر

تحریر خونِ دل میں ڈبونی ہے لازمی
روشن نہ ہوگا سوز نہاں درد کے بغیر

ہے شرط زخم کی کہ لگے روح کو طرازؔ
تاثیر پائے گی نہ زباں درد کے بغیر

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

تھی ساری کائنات نہاں درد کے بغیر
"خود پر بھی ہم کہاں تھے عیاں درد کے بغیر"

روشن غموں سے زیست کے چودہ طبق ہوئے
"ملتا کہاں یہ نام و نشاں درد کے بغیر"

جب دل میں درد اُٹھا تو مجھ کو پتہ چلا
"روشن نہیں تھا میرا جہاں درد کے بغیر"

دردِ جگر ہی رقصِ جنوں کا سبب بنا
"زنجیر بولتی ہے کہاں درد کے بغیر"

ہم اہلِ درد ہیں ہمیں تم ساتھ لے چلو
"صحرا میں کون دے گا اذاں درد کے بغیر"

سب ایک ساتھ رہتے ہیں جیتے نہیں ہیں ساتھ
"آتا نہیں ہے راس مکاں درد کے بغیر"

تم عرضِ حال کرنے سے پہلے یہ سوچ لو
"تاثیر پائے گی نہ زباں درد کے بغیر"

رنگِ غزل اُبھر کے نہ آئے گا اے کمالؔ
"روشن نہ ہوگا سوزِ نہاں درد کے بغیر"

☆☆☆☆☆

غـــــزل

ظفر صدیقی

نظریں بھی دی ہوئی ہیں نظارہ دیا ہوا
ہے اس کے پاس سارے کا سارا دیا ہوا

ہم سے نہ ہو سکے گا کہ اس سے کریں سوال
جو شخص کھا رہا ہے ہمارا دیا ہوا

سونپا تھا تم نے درد امانت کے طور پر
لوٹا رہا ہوں تم کو تمہارا دیا ہوا

میرے بجھے چراغ پہ تم طنز مت کرو
رکھتے ہو کس کا چاند ستارا دیا ہوا

تعریف میں ہے طنز کا پہلو کچھ اس طرح
شربت میں جیسے پانی ہو کھارا دیا ہوا

میں ہاتھ ڈالتا تو نہ بچتا کبھی ظفر
سانپوں بھرا تھا اس کا پٹارا دیا ہوا

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

پھولوں بھرا تھا بیگ ہمارا دیا ہوا
''سانپوں بھرا تھا اس کا پٹارا دیا ہوا''

وہ دیکھتا ہے وہ، جو دکھاتا ہے کوئی اور
''نظریں بھی دی ہوئی ہیں نظارہ دیا ہوا''

آنکھیں ہیں اس کی اپنی نہ اپنے ہیں اس کے کان
''ہے اس کے پاس سارے کا سارا دیا ہوا''

برتن میں چھید کرنے سے بھی چوکتا نہیں
''جو شخص کھا رہا ہے ہمارا دیا ہوا''

تم سے ہی میں نے سیکھا ہے یہ طرزِ گفتگو
''لوٹا رہا ہوں تم کو تمہارا دیا ہوا''

سورج سے بات کر کے پتہ چل گیا مجھے
''رکھتے ہو کس کا چاند ستارا دیا ہوا''

الفاظ نرم نرم ہیں لہجہ ہے سخت سخت
''شربت میں جیسے پانی ہو کھارا دیا ہوا''

☆☆☆☆☆

غـــزل

نعمان شوق

آسماں کیا مری زمیں بھی نہیں
تیری دنیا میں میں کہیں بھی نہیں

دور رہئے ذہین لوگوں سے
ان کی ہاں بھی نہیں ، نہیں بھی نہیں

مجھ میں کیسی ہے روشنی یارب
وہ ستارہ مرے قریں بھی نہیں

جس کے ڈسنے سے جی اُٹھے تھے ہم
اب تو وہ مارِ آستیں بھی نہیں

آزمانے سے بھی گریز بہت
اور کسی بات کا یقیں بھی نہیں

اپنی دھڑکن میں گونجتا ہوں میں
اب کوئی دوسرا مکیں بھی نہیں

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

ان کی باتوں کا اب یقیں بھی نہیں
"ان کی ہاں بھی نہیں، نہیں بھی نہیں"

آسماں بھی تھا کل مرا اور اب
"آسماں کیا مری زمیں بھی نہیں"

مجھ کو معلوم حیثیت اپنی
"تیری دنیا میں میں کہیں بھی نہیں"

جو ستارہ مرے نصیب کا ہے
"وہ ستارہ مرے قریں بھی نہیں"

اب کسے دودھ ہم پلائیں گے
"اب تو وہ مارِ آستیں بھی نہیں"

اس کی ہر بات لطف دیتی ہے
"اور کسی بات کا یقیں بھی نہیں"

جب سے دل سے نکل گئے ہو تم
"اب کوئی دوسرا مکیں بھی نہیں"

☆☆☆☆☆

غـــزل

طارق متین

دوستو ریت کی دیوار اُٹھاتے کیوں ہو
گرنے لگتی ہے تو پھر شور مچاتے کیوں ہو

کوئی زخموں کا مداوا نہیں کرنے والا
زخمِ دل اپنا زمانے کو دکھاتے کیوں ہو

جنھیں کچھ بھی نظر آتا ہی نہیں اپنے سوا
ایسے لوگوں سے کوئی آس لگاتے کیوں ہو

تم طرف دار ہو کانٹوں کے تو کانٹوں میں رہو
اپنے گلدان میں پھولوں کو سجاتے کیوں ہو

خود ہی سو جاتے ہو جب سارا جہاں جاگتا ہے
چاہتے کیا ہو ، زمانے کو جگاتے کیوں ہو

اپنے کردار کو مٹی میں ملا کر طارقؔ
اپنے اسلاف کی عظمت کو گنواتے کیوں ہو

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

اپنی آنکھوں میں کوئی خواب سجاتے کیوں ہو
"دوستو ریت کی دیوار اُٹھاتے کیوں ہو"

جب ہوا تیز نہیں ہو تو اُڑاتے ہو پتنگ
"گرنے لگتی ہے تو پھر شور مچاتے کیوں ہو"

آج کل لوگ نمک دان لئے پھرتے ہیں
"زخمِ دل اپنا زمانے کو دکھاتے کیوں ہو"

آس جو تم سے لگائے ہوئے رہتے ہیں
"ایسے لوگوں سے کوئی آس لگاتے کیوں ہو"

نیند اُچٹ جانے سے ناراض نہ ہو جائے کہیں
"چاہتے کیا ہو، زمانے کو جگاتے کیوں ہو"

تم جلا کیوں نہیں دیتے ہو سفینے اپنے
"اپنے اسلاف کی عظمت کو گنواتے کیوں ہو"

اس کے وعدے پہ یقیں جب نہیں کرتے ہو کمالؔ
"اپنے گلدان میں پھولوں کو سجاتے کیوں ہو"

☆☆☆☆☆

غـــــزل

راشد انور راشد

خیال و خواب ہیں دھندلے نظر میں تاریکی
اُجالا کیسے ہو حاصل ، سفر میں تاریکی

اسی حویلی کی رونق کے خوب چرچے تھے
اسی حویلی کے اب بام و در میں تاریکی

تو اس علاقے کو تاراج کر دیا کس نے
سسک رہے ہیں مناظر ، نگر میں تاریکی

یہ آنے والے بُرے وقت کی نشانی ہے
دکھائی دیتی ہے شمس و قمر میں تاریکی

سفر میں نکلا تھا معقول انتظام کے بعد
مگر جو لوٹا تو پھیلی تھی گھر میں تاریکی

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

دیئے جلے تو بڑھی اور گھر میں تاریکی
''سسک رہے ہیں مناظر، نگر میں تاریکی''

اب اس کا چہرہ مجھے صاف یاد آتا نہیں
''خیال و خواب ہیں دھندلے نظر میں تاریکی''

بجھے چراغوں کو لے کر سفر پہ نکلے ہو
''اُجالا کیسے ہو حاصل، سفر میں تاریکی''

مہہ و نجوم ٹہلتے تھے جس کی چھت پہ کبھی
''اسی حویلی کے اب بام و در میں تاریکی''

وہ اک دیا تھا مگر اس دیئے کے بجھنے سے
''دکھائی دیتی ہے شمس و قمر میں تاریکی''

میں گھر کے سارے دیوں کو جلا کے نکلا تھا
''مگر جو لوٹا تو پھیلی تھی گھر میں تاریکی''

☆☆☆☆☆

غـــــزل

خالد عبادی

زندگی سے بات ہونے جا رہی ہے
روشنی پھر ساتھ ہونے جا رہی ہے

جس سے بڑھ جاتی ہے دل کی بے قراری
آج پھر وہ بات ہونے جا رہی ہے

عاجزی ، بیچارگی ، گوشہ نشینی
اب ہماری ذات ہونے جا رہی ہے

کاسۂ دل میں نہیں ایک قطرۂ خوں
شہرتِ خیرات ہونے جا رہی ہے

جام سے ٹکرائیں گے ہم جام مل کر
قہر کی برسات ہونے جا رہی ہے

کام ہی ایسے کئے ہیں دل جلوں نے
پُرسش حالات ہونے جا رہی ہے

اب اُٹھو خالد عبادی گھر چلو بھی
شام گزری ، رات ہونے جا رہی ہے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

موت کی اب مات ہونے جا رہی ہے
"زندگی سے بات ہونے جا رہی ہے"

ظلمتوں سے جنگ کرنے چل پڑا ہوں
"روشنی پھر ساتھ ہونے جا رہی ہے"

جس سے دل پر کل اُداسی چھا گئی تھی
"آج پھر وہ بات ہونے جا رہی ہے"

ان کے تیرِ طنز و تہمت کا نشانہ
"اب ہماری ذات ہونے جا رہی ہے"

سارے دولت مند یکجا ہو گئے ہیں
"شہرتِ خیرات ہونے جا رہی ہے"

شہرِ دل بھی کم نہیں ہے کربلا سے
"قہر کی برسات ہونے جا رہی ہے"

کیا کوئی کام آ پڑا ہے ہم سے ان کو
"پُرسشِ حالات ہونے جا رہی ہے"

سب چراغوں کو بجھا دو ، دل جلاؤ
"شام گزری ، رات ہونے جا رہی ہے"

☆☆☆☆☆

غزل

انور ایرج

عجیب شہر ہے یہ سائباں کہیں بھی نہیں
درخت چاروں طرف آشیاں کہیں بھی نہیں

الاؤ جسم کے اندر دہک رہا ہے مگر
حصارِ ذات سے باہر دھواں کہیں بھی نہیں

چہار سمت حکومت ہے بس اندھیروں کی
کسی چراغ سے روشن مکاں کہیں بھی نہیں

تمام راستے مقتل کی سمت جاتے ہیں
وہیں چلو کہ مقام اماں کہیں بھی نہیں

میں کائنات کا اک گمشدہ ورق ایرجؔ
مجھے نہ ڈھونڈ کہ میرا مکاں کہیں بھی نہیں

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

یہ کیسا شہر ہے کوئی مکاں کہیں بھی نہیں
"درخت چاروں طرف آشیاں کہیں بھی نہیں"

کہیں پہ دھوپ کہیں پر گھٹا کی یورش ہے
"عجیب شہر ہے یہ سائباں کہیں بھی نہیں"

جو دل سے اُٹھتا ہے دل ہی میں پھیل جاتا ہے
"حصارِ ذات سے باہر دھواں کہیں بھی نہیں"

ہر اک مکان میں روشن چراغ ہے لیکن
"کسی چراغ سے روشن مکاں کہیں بھی نہیں"

جہاں سے آئے تھے تم ڈھونڈنے مقام اماں
"وہیں چلو کہ مقام اماں کہیں بھی نہیں"

مجھے نہ سوچ کہ میں ہوں خیال سے بھی پرے
"مجھے نہ ڈھونڈ کہ میرا مکاں کہیں بھی نہیں"

☆☆☆☆☆

غــــزل

انور شمیم

اس سے بڑھ کر ہے کوئی آفت کیا
زندگی کاٹ لی ، قیامت کیا

کیسی بیعت ہے اور عقیدت کیا
شرط رکھ دی تو پھر محبت کیا

ساتھ چلنا تھا ، عمر بھر چلتے
گام دو گام کی مسافت کیا

ظاہراً لوگ مطمئن تو ہیں
سب ہیں اندر سے بھی سلامت کیا

سب نے رکھ لی زبان مٹھی میں
کوئی دکھلائے اب جسارت کیا

ایک حمام میں ہیں ہم سارے
بے سبب اب ہمیں ندامت کیا

بات کرتا ہے مجھ سے سناٹا
اور ہوتی بھی ہے کرامت کیا

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

زندگی سے بڑی مصیبت کیا
"اس سے بڑھ کر ہے کوئی آفت کیا"

جیتے جی پل صراط سے گزرے
"زندگی کاٹ لی ، قیامت کیا"

سب کے سب ہیں غرض کے بندے اب
"کیسی بیعت ہے اور عقیدت کیا"

یہ محبت نہیں ، تجارت ہے
"شرط رکھ دی تو پھر محبت کیا"

ہم سفر ہو حسیں ، طویل سفر
"گام دو گام کی مسافت کیا"

زندہ جاوید سب ہیں باہر سے
"سب ہیں اندر سے بھی سلامت کیا"

کب ستائش ہوئی جسارت کی
"کوئی دکھلائے اب جسارت کیا"

ہم تو چکنے گھڑے ہیں چکنے گھڑے
"بے سبب اب ہمیں ندامت کیا"

آنسوؤں سے پگھل گیا پتھر
"اور ہوتی بھی ہے کرامت کیا"

☆☆☆☆☆

غـــزل

سیّد شکیل دسنوی

جستجوئے سکوں زمانے میں
عمر گزری فریب کھانے میں

ایک غم ہی نے کی وفا ورنہ
کون کرتا ہے اس زمانے میں

اشک آنکھوں میں بھر نہ آئے پھر
ڈر سا لگتا ہے مسکرانے میں

برق کا اضطراب کیا کہیے
چار تنکے ہیں آشیانے میں

یہ نہ پوچھو کہ دل پہ کیا گزری
وقتِ رخصت بھی مسکرانے میں

☆☆☆☆

آدھی غزل

ٹھہرا ناکام میں تو پانے میں
''جستجوئے سکوں زمانے میں''

اچھا خاصا ہے تجربہ ہم کو
''عمر گزری فریب کھانے میں''

ہونٹ زخمی نہ میرے ہو جائیں
''ڈر سا لگتا ہے مسکرانے میں''

مدتوں کی اڑان کا حاصل
''چار تنکے ہیں آشیانے میں''

مجھ کو کرنی پڑی اداکاری
''وقتِ رخصت بھی مسکرانے میں''

عشق اور وہ بھی سچا عشق کمآل
''کون کرتا ہے اس زمانے میں''

☆☆☆☆

غــــزل

سہیل اختر

طبیعت گر مکدر ہو تو پھر باہر نہیں جاتے
کثافت اپنی لے کر دوسروں کے گھر نہیں جاتے

وہی ہے چاند، تارے بھی وہی ، پھر بھی نہ جانے کیوں
ہمیں فرصت تو ملتی ہے مگر چھت پر نہیں جاتے

ہے کون اب کتنے پانی میں یہ کہنا سخت مشکل ہے
کہ اب ہم احتیاطاً خود ہی ساحل پر نہیں جاتے

اب ایسے اُڑنے والے ہی فلک کو کوستے ہوں گے
کبھی اک خاص اونچائی سے جو اوپر نہیں جاتے

اُدھر بکھرا پڑا ہے اس قدر تعبیر کا ملبہ
مکیں بھی اب مکانِ خواب کے اندر نہیں جاتے

تصنع سے ہی اختر کام چل جاتا ہے لوگوں کا
جبھی تو ہم خلوص اپنا لئے باہر نہیں جاتے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

کسی آسیب کا سایہ ہے کیا، ڈر کر نہیں جاتے
"مکیں بھی اب مکانِ خواب کے اندر نہیں جاتے"

حسیں جتنے مناظر ہیں وہ سب بے کیف لگتے ہیں
"طبیعت گر مکدّر ہو تو پھر باہر نہیں جاتے"

دھواں ہم اپنے گھر کا اپنے گھر میں قید رکھتے ہیں
"کثافت اپنی لے کر دوسروں کے گھر نہیں جاتے"

ہمیں معلوم ہے وہ اب بھی چھت پر آتا جاتا ہے
"ہمیں فرصت تو ملتی ہے مگر چھت پر نہیں جاتے"

کریں کیسے سفینے والوں پر ہم تبصرہ کوئی
"کہ اب ہم احتیاطاً خود ہی ساحل پر نہیں جاتے"

مری پرواز پر اکثر وہی تنقید کرتے ہیں
"کبھی اک خاص اونچائی سے جو اوپر نہیں جاتے"

ہمیں اچھی طرح باہر کے موسم کا ہے اندازہ
"جبھی تو ہم خلوص اپنا لئے باہر نہیں جاتے"

☆☆☆☆☆

غـــــزل

شاھد اختر

جب تک نہ مجھے تیری مسیحائی ملے گی
جاؤں گا جہاں ذلت و رسوائی ملے گی

کچھ کام نہ آئے گی اچھل کود ہماری
تقدیر میں لکھی ہے جو پسپائی ملے گی

بخشے گا وہ جس روز مجھے شرف ملاقات
آنکھوں کو چمک دل کو توانائی ملے گی

ہنسنے کے لئے دن تو میسر نہیں ہوگا
رونے کو مگر شام کی تنہائی ملے گی

ڈھونڈو گے مگر ہاتھ نہ آئے گا کوئی عکس
ہر شخص کے چہرے پہ جمی کائی ملے گی

آنکھوں کے اشارے وہ سمجھتا نہیں اختر
یا رب مجھے کب قوت گویائی ملے گی

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

سوچا بھی نہ تھا ایسی شناسائی ملے گی
"جاؤں گا جہاں ذلت و رسوائی ملے گی"

اس وقت تلک اچھا بھی ہونے کا نہیں میں
"جب تک نہ مجھے تیری مسیحائی ملے گی"

یہ سوچ کے کوشش نہیں کرنا ہے حماقت
"تقدیر میں لکھی ہے جو پسپائی ملے گی"

رہنے دو ابھی میز پہ تصویر تم اس کی
"آنکھوں کو چمک دل کو توانائی ملے گی"

ہنسنے کو ترے ساتھ کوئی ہو کہ نہیں ہو
"رونے کو مگر شام کی تنہائی ملے گی"

آئینہ لئے نکلے ہو تم کس کو دکھانے
"ہر شخص کے چہرے پہ جمی کائی ملے گی"

سچ کہنے کا اب میں نے ارادہ تو کیا ہے
"یا رب مجھے کب قوت گویائی ملے گی"

☆☆☆☆☆

غـــزل

عطا عابدی

زمیں جو سر بھی اُٹھائے ، فلک جھکا ہی رہے
مری دعا ہے ، وفا کی سزا وفا ہی رہے

کہو کہ زخموں سے مانوس ہو چکا ہوں میں
خفا ہے مجھ سے مسیحا تو پھر خفا ہی رہے

سکوتِ شب سے اگر ہوں سماعتیں زخمی
اسی میں خیر ہے ، فریاد بے صدا ہی رہے

ہے اس کی یادوں پہ موقوف قلب کی رونق
جدا جو ہو گیا مجھ سے تو وہ جدا ہی رہے

مثال پھول کی دیتے ہیں لوگ عطاؔ لیکن
مری نگاہوں کے آگے تری ادا ہی رہے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

مرے خدا مرے لب پر یہ اک دعا ہی رہے
''مری دعا ہے، وفا کی سزا وفا ہی رہے''

بڑے جو ہیں وہ ہمیشہ بڑے ہی رہتے ہیں
''زمیں جو سر بھی اُٹھائے، فلک جھکا ہی رہے''

علاجِ زخمِ دل اپنا مجھے قبول نہیں
''خفا ہے مجھ سے مسیحا تو پھر خفا ہی رہے''

اگر ہو آہ و فغاں بارِ خوابِ منصف تو
''اسی میں خیر ہے، فریاد بے صدا ہی رہے''

اب اس سے کہہ دو کہ راس آ گیا ہے ہجر مجھے
''جدا جو ہو گیا مجھ سے تو وہ جدا ہی رہے''

چمکنا چاند کا، کھلنا کلی کا سب بے کار
''مری نگاہوں کے آگے تری ادا ہی رہے''

☆☆☆☆☆

غـــزل

ملک زادہ جاوید

بزدلی جب سے ہم پہ طاری ہے
چاروں جانب سے سنگ باری ہے

عہدِ نو کی جدید غزلوں نے
زندگی دھوپ میں گزاری ہے

میرے گملوں کے جل گئے پودے
یہ تو موسم کی ذمہ داری ہے

میں رعایا ہوں اور وہ حاکم
اس کی مجھ پر اجارہ داری ہے

ہر پرندہ ہے اس کی جھولی میں
وہ تو اک منفرد شکاری ہے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

ایک اک سانس ہم پہ بھاری ہے
"بزدلی جب سے ہم پہ طاری ہے"

بیچ میں آئنہ ہے بیچارہ
"چاروں جانب سے سنگ باری ہے"

کیسے کپڑے مجھے پہننے ہیں
"یہ تو موسم کی ذمہ داری ہے"

میرا اس پر نہیں ہے حق کوئی
"اس کی مجھ پر اجارہ داری ہے"

سب اسی کے شکار ہوتے ہیں
"وہ تو اک منفرد شکاری ہے"

ہم نے سائے کی جستجو میں کمالؔ
"زندگی دھوپ میں گزاری ہے"

☆☆☆☆☆

غـــزل

مشتاق صدف

آگ جو آپ نے لگائی ہے
میں نے اشکوں سے وہ بجھائی ہے

روتا بچہ ہنسا کے آیا ہوں
آج کی بس یہی کمائی ہے

دیکھ کر پھیر لیتے ہیں نظریں
خوب ان کی یہ کج ادائی ہے

زخم سب دل کے ہو گئے ہیں ہرے
ہائے کیسی بہار آئی ہے

آ کے منزل پہ یہ ہوا معلوم
میرا حاصل شکستہ پائی ہے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

آگ جو آہ نے لگائی ہے
"میں نے اشکوں سے وہ بجھائی ہے"

چاہتا ہوں کہ دل میں جلتی رہے
"آگ جو آپ نے لگائی ہے"

اک نیا زخم ، ایک تازہ غزل
"آج کی بس یہی کمائی ہے"

غیر سے حال پوچھتے ہیں مرا
"خوب ان کی یہ کج ادائی ہے"

دل سے یاد خزاں نہیں جاتی
"ہائے کیسی بہار آئی ہے"

تم کو بیساکھیاں مبارک ہوں
"میرا حاصل شکستہ پائی ہے"

☆☆☆☆☆

غــــزل

شکیل اعظمی

سر پہ سورج لئے کھڑا ہوں میں
اپنی پرچھائیں سے بڑا ہوں میں

اپنے چہرے کے دھندلے پن کے لئے
کتنے آئینوں سے لڑا ہوں میں

کسی پتھر سے ٹوٹتا بھی نہیں
جانے کس فریم میں جڑا ہوں میں

پھر مخالف ہیں سارے لوگ مرے
پھر کسی بات پر اڑا ہوں میں

اب تو خوش ہو کہ ہار میری ہوئی
ہاتھ باندھے ہوئے کھڑا ہوں میں

میری مٹی بلا رہی ہے مجھے
جانے کس خاک میں گڑا ہوں میں

انگلیاں اُٹھ رہی ہیں مجھ پہ شکیلؔ
جانے کس سمت چل پڑا ہوں میں

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

کئی دن سے یونہی پڑا ہوں میں
''جانے کس خاک میں گڑا ہوں میں''

منجمد ہے مرا لہو پھر بھی
''سر پہ سورج لئے کھڑا ہوں میں''

کیا ہوا گر میں سب سے چھوٹا ہوں
''اپنی پرچھائیں سے بڑا ہوں میں''

میں تھکا ماندہ ایک پتھر ہوں
''کتنے آئینوں سے لڑا ہوں میں''

دیکھتا ہی نہیں کوئی مجھ کو
''جانے کس فریم میں جڑا ہوں میں''

کوئی سمجھا رہا ہے پھر مجھ کو
''پھر کسی بات پر اڑا ہوں میں''

جیت کر بھی مری شکست ہوئی
''ہاتھ باندھے ہوئے کھڑا ہوں میں''

دل مجھے روکتا ہے جانے سے
''جانے کس سمت چل پڑا ہوں میں''

☆☆☆☆☆

غـــزل

ذکی طارق

دیوار گر گئی ہے کوئی راستہ نہیں
ہم کس لئے اُداس ہیں وہ جانتا نہیں

میں نے سیاہ کر دیا دل کا ورق ورق
اس کی کتاب میں بھی کوئی حاشیہ نہیں

موسم کا ہے قصور کہ سازش ہے دھوپ کی
اب کے پھلوں میں پیڑ کے کچھ ذائقہ نہیں

پرکھوں کی یہ نشانی بھی کوڑی کے مول بیچ
اُجڑے ہوئے کھنڈر سے کوئی فائدہ نہیں

بجھتے ہوئے چراغ کی تاریخ مت لکھو
جو جل رہا ہے اس کو کوئی جانتا نہیں

یہ کس نے چھین لی مرے چہرے کی تازگی
آئینہ دیکھنے کا ذکی حوصلہ نہیں

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

دنیا کی بھی زباں پہ مرا تذکرہ نہیں
"اس کی کتاب میں بھی کوئی حاشیہ نہیں"

ملبہ ہٹا کے چلنے کی تدبیر کچھ کرو
"دیوار گر گئی ہے کوئی راستہ نہیں"

ہم اور بھی اُداس ہوئے جان کر یہ بات
"ہم کس لئے اداس ہیں وہ جانتا نہیں"

دل کی طرح زباں کا بھی احساس مر گیا
"اب کے پھلوں میں پیڑ کے کچھ ذائقہ نہیں"

جو گل ہوا چراغ وہ ہے موضوعِ سخن
"جو جل رہا ہے اس کو کوئی جانتا نہیں"

دل میں کوئی چراغ جلاتے ہو کیوں بھلا
"اُجڑے ہوئے کھنڈر سے کوئی فائدہ نہیں"

ڈر ہے کہ میرا چہرہ بھی تبدیل ہو گیا
"آئینہ دیکھنے کا ذکی حوصلہ نہیں"

☆☆☆☆☆

غـــزل

مراق مرزا

یہ دنیا کا مقدر ہوگیا ہے
کہ اب انسان پتھر ہوگیا ہے
نہیں اب فکر میں اُگتے ستارے
بشر کا ذہن بنجر ہوگیا ہے
کہ سورج بن گیا پل بھر میں جگنو
جو قطرہ تھا سمندر ہوگیا ہے
عجب یہ وقت کی جادوگری ہے
مداری آج بندر ہوگیا ہے
ہر اک موسم لہو میں تر بہ تر ہے
جہاں کا اب یہ منظر ہوگیا ہے
زمیں یہ اجنبی لگنے لگی ہے
کہیں کچھ میرے اندر ہوگیا ہے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

لہو سے عرش بھی تر ہوگیا ہے
"جہاں کا اب یہ منظر ہوگیا ہے"

تشدد، قتل، دہشت، خوں خرابہ
"یہ دنیا کا مقدر ہوگیا ہے"

شکستہ ہوگئے رشتوں کے شیشے
"کہ اب انسان پتھر ہوگیا ہے"

کسی پتھریلی مٹی ہی کے جیسی
"بشر کا ذہن بنجر ہوگیا ہے"

سیاست کی کرشمہ سازیاں ہیں
"جو قطرہ تھا سمندر ہوگیا ہے"

وہ خود بھی ناچتا ہے ڈگڈگی پر
"مداری آج بندر ہوگیا ہے"

عبث تو یہ نہیں ہے بے سکونی
"کہیں کچھ میرے اندر ہوگیا ہے"

☆☆☆☆☆

غـــزل

نجم عثمانی

پچھلی رتوں کے زخم چھپانے لگے درخت
بارش کے ساتھ رقص میں آنے لگے درخت

اس روز میرے گاؤں کی تہذیب مر گئی
جس روز گانو چھوڑ کے جانے لگے درخت

موسم پہ اس نے طنز کیا ہے کچھ اس طرح
پھولوں سے اپنے جسم سجانے لگے درخت

پاگل ہوا نے کان میں کیا جانے کہہ دیا
پھر تالیاں خوشی سے بجانے لگے درخت

اک پل میں پھول ، پتیاں ، شاخیں جھلس گئیں
یہ کیسی روشنی میں نہانے لگے درخت

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

اگلی رتوں سے آس لگانے لگے درخت
''پچھلی رتوں کے زخم چھپانے لگے درخت''

اب پاؤں لگ گئے ہیں انہیں پنکھ لگ گئے
''بارش کے ساتھ رقص میں آنے لگے درخت''

جب سے سنا وہ باغ میں آئیں گے سیر کو
''پھولوں سے اپنے جسم سجانے لگے درخت''

پھر آ گئے ہیں آپ چمن میں تو دیکھئے
''پھر تالیاں خوشی سے بجانے لگے درخت''

جتنے پرند شاخوں پہ بیٹھے تھے اُڑ گئے
''یہ کیسی روشنی میں نہانے لگے درخت''

سورج نے اہتمام کیا جشن کا کمالؔ
''جس روز گانو چھوڑ کے جانے لگے درخت''

☆☆☆☆☆

غـــزل

شان بھارتی

یہ جن پہ چل رہے ہیں اہلِ جادہ
ہے میرے نقشِ پا سے استفادہ

تمہاری جیب میں لطفِ یقیں ہے
مرے کشکول میں ہے صرف وعدہ

وہ چاہے جب ہمیں اذنِ سفر دے
کیے بیٹھے ہیں ہم پکّا ارادہ

اجازت ہو تو تیرا نام لکھ دوں
کتابِ دل کا اک صفحہ ہے سادہ

ملاقات ان سے ہو جاتی ہے جس دم
نکل پڑتے ہیں گھر سے بے ارادہ

وہی پیرِ سخن ہے شانؔ جس کا
کوئی شجرہ نہ کوئی خانوادہ

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

کروں لفظوں سے کب تک استفادہ
''مرے کشکول میں ہے صرف وعدہ''

ہماری گمرہی نے رہ نکالی
''یہ جن پر چل رہے ہیں اہل جادہ''

اسے جو اس کی منزل گئی ہے
''ہے میرے نقشِ پا سے استفادہ''

بھلا دیں گے کسی دن ہم بھی اس کو
''کیئے بیٹھے ہیں ہم پکّا ارادہ''

اسے یونہی رکھوں گا عمر بھر میں
''کتابِ دل کا اک صفحہ ہے سادہ''

کبھی منزل کی چاہت کے پرے بھی
''نکل پڑتے ہیں گھر سے بے ارادہ''

مری پہچان میرے نام سے ہے
''کوئی شجرہ نہ کوئی خانوادہ''

☆☆☆☆☆

غـــــزل

طارق قمر

وہ میرے خواب کی تعبیر تو بتائے مجھے
میں دھوپ میں ہوں مگر ڈھونڈتے ہیں سائے مجھے

میں روشنی کی کسی سلطنت کا شہزادہ
مگر چراغ ملے ہیں بجھے بجھائے مجھے

تو موتیوں میں نہ تلنے کا رنج ختم ہوا
کسی کی آنکھ کے آنسو خرید لائے مجھے

لرزتے کانپتے ہاتھوں کو پھر نہ زحمت ہو
خدا کرے کہ یہی زہر راس آئے مجھے

میں چاہتا ہوں کبھی یوں بھی ہو کہ میری طرح
وہ مجھ کو ڈھونڈنے نکلے مگر نہ پائے مجھے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

کبھی کبھی جو حسین خواب اک دکھائے مجھے
"وہ میرے خواب کی تعبیر تو بتائے مجھے"

تمام عمر کے پیہم سفر کا حاصل ہے
"میں دھوپ میں ہوں مگر ڈھونڈتے ہیں سائے مجھے"

مجھے یہ کام ملا ہے کہ راہ دکھلاؤں
"مگر چراغ ملے ہیں بجھے بجھائے مجھے"

قسم خدا کی میں اس کا غلام ہو بیٹھا
"کسی کی آنکھ کے آنسو خرید لائے مجھے"

پلانے والا پشیمان ہو نہ جائے کہیں
"خدا کرے کہ یہی زہر راس آئے مجھے"

میں اس کے ساتھ رہوں اس کے سائے کی مانند
"وہ مجھ کو ڈھونڈنے نکلے مگر نہ پائے مجھے"

☆☆☆☆☆

غزل

افتخار راغب

مضطرب آپ کے بنا ہے جی — یہ محبت بھی کیا بلا ہے جی

جی رہا ہوں میں کتنا گھٹ گھٹ کر — یہ مرا جی ہی جانتا ہے جی

میرے سینے میں جو دھڑکتا ہے — میرا دل ہے کہ آپ کا ہے جی

آپ اس کو بُرا سمجھتے ہیں — اپنا اپنا مشاہدہ ہے جی

اتنے معصوم آپ مت بنئے — آپ لوگوں کو سب پتا ہے جی

کیا بتاؤں کہ کتنی شدت سے — تم سے ملنے کو چاہتا ہے جی

چند یادیں ہیں چند سپنے ہیں — اپنے حصّے میں اور کیا ہے جی

اہلِ فرقت کی زندگی راغبؔ
زندگی ہے کہ اک سزا ہے جی

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

درد میں بھی الگ مزا ہے جی
”یہ محبت بھی کیا بلا ہے جی“

مضمحل آپ کے بنا ہوں میں
”مضطرب آپ کے بنا ہے جی“

جی لگانے کا کیا ہوا حاصل
”یہ مرا جی ہی جانتا ہے جی“

میرا دل میرا تھا مگر اب یہ
”میرا دل ہے کہ آپ کا ہے جی“

عشق رحمت ہے عشق زحمت ہے
”اپنا اپنا مشاہدہ ہے جی“

آگ کیسے لگی مرے گھر میں
”آپ لوگوں کو سب پتا ہے جی“

اس نے خط میں مجھے یہ لکھا ہے
”تم سے ملنے کو چاہتا ہے جی“

جو بچا آپ سے ، وہی ہے ملا
”اپنے حصّے میں اور کیا ہے جی“

آس پر قید ، سانس پر پہرہ
”زندگی ہے کہ اک سزا ہے جی“

☆☆☆☆☆

غــــزل

احمد نثار

تلخیٔ زہر غم پی گئی زندگی　　ہو گئی اور بھی سانولی زندگی

دشمنوں سے عداوت نہیں اب رہی　　ذائقہ دے گئی اک نئی زندگی

حسن یوسف کے سارے خریدار تھے　　درد اپنا کہاں بیچتی زندگی

مسئلے خود بخود ختم ہوتے گئے　　راس آئی تری دوستی زندگی

ہے کہاں تیری منزل بتا دے مجھے　　ہر طرف دوڑتی بھاگتی زندگی

ہم فقیروں سے کچھ بھی نہیں ہے چھپا　　گرد ہوتی رہی خاک سی زندگی

پاؤں میں اس کی زنجیر ڈالی گئی　　اپنے محور پہ کیا گھومتی زندگی

اس کو مہلت سنورنے کی ملتی اگر　　قربت خوش رُخاں ڈھونڈتی زندگی

رکھئے اس کو بچا کر اے احمد نثار
چمپئی ، سرمئی ، منچلی زندگی.

☆☆☆☆

آدھی غزل

قہقہہ زندگی ، سر خوشی زندگی
’’تلخیِ زہر غم پی گئی زندگی‘‘

چلچلاتی ہوئی دھوپ میں جل گئی
’’ہو گئی اور بھی سانولی زندگی‘‘

اک نیا تجربہ ہر قدم پہ ہوا
’’ذائقہ دے گئی اک نئی زندگی‘‘

ساتھ برسوں رہے تب کہیں جا کے اب
’’راس آئی تری دوستی زندگی‘‘

کوئی رکتا نہیں اب کسی کے لئے
’’ہر طرف دوڑتی بھاگتی زندگی‘‘

وقت اسے روند کر آگے بڑھتا رہا
’’گرد ہوتی رہی خاک سی زندگی‘‘

جینے والا ہی جینے سے بیزار تھا
’’اپنے محور پہ کیا گھومتی زندگی‘‘

ڈھونڈتے ڈھونڈتے یہ کہاں آ گئی
’’قربت خوش رخاں ڈھونڈتی زندگی‘‘

روز پوشاک اپنی بدلتی ہوئی
’’چمپئی ، سرمئی ، منچلی زندگی‘‘

سب خریدارِ عیش و طرب تھے کمالؔ
’’درد اپنا کہاں بیچتی زندگی‘‘

☆☆☆☆

غــــزل

حاذق انصاری

غیرتِ دل مجھے اب کہتی ہے مرجانے کو
میرے گلشن پہ ہنسی آتی ہے ویرانے کو

اب تو لانا ہی نہیں ذکر رہائی لب پر
انسیت ہوگئی زنجیر سے دیوانے کو

شمع کی گود بجز موج فنا کچھ بھی نہیں
کاش سمجھا دے یہ نکتہ کوئی پروانے کو

لذتِ فاقہ کشی تم کو بھلا کیا معلوم
اس سے پوچھو جو پریشاں ہے اک اک دانے کو

اس کی سیری نہ ہوئی دیر و حرم سے آخر
حاذق تشنہ چلا دیکھئے میخانے کو

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

دیکھ ، اپنا وہ سمجھنے لگا بیگانے کو
''غیرتِ دل مجھے اب کہتی ہے مرجانے کو''

دیکھ اے فصل بہار اپنی عنایات ذرا
''میرے گلشن پہ ہنسی آتی ہے ویرانے کو''

اب نہ وہ رقص جنوں ہے نہ صدائے گریہ
''انسیت ہوگئی زنجیر سے دیوانے کو''

شمع گل ہوتی نہیں ہجر میں پروانے کے
''کاش سمجھا دے یہ نکتہ کوئی پروانے کو''

کرنا کیا کچھ نہیں پڑتا ہے شکم کی خاطر
''اس سے پوچھو جو پریشاں ہے اک اک دانے کو''

اس نے آنکھوں سے پلانے میں بخالت کی تھی
''حاذقؔ تشنہ چلا دیکھئے میخانے کو''

☆☆☆☆☆

غـــزل

خالق عبداللہ

اب راس آسکے گی نہ کوئی خوشی مجھے
اہلِ وطن سمجھنے لگے اجنبی مجھے

کچھ تو نشانِ آمدِ فصلِ بہار ہو
جاتا ہوں تیرے باغ سے دے اک کلی مجھے

با چشمِ نم حکایت جاں سوز کہہ چکے
باقی فسانہ کہتی ہے اب خامشی مجھے

بدلا لباس کہنہ فریبِ وفا نے آج
بدنام کر نہ دے کہیں ان کی ہنسی مجھے

چاکِ قبا کو سی کے بھی وحشت نہیں گئی
اندازِ نو کی مل گئی دیوانگی مجھے

کیسے کہوں کہ راہِ سفر میں ملیں گے پھول
جب خار زار لگتی ہے تیری گلی مجھے

ان کے ہی حسن کا ہے یہ تو عکس چار سو
دیتے پتہ ہیں شمس و قمر ، چاندنی مجھے

خالق خیال صبح سے مایوس تو نہ ہو
کہتی ہوئی چلی ہے شبِ تیرگی مجھے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

کرنی نہیں پڑی کبھی جامہ دری مجھے
"اندازِ نو کی مل گئی دیوانگی مجھے"

کچھ اس قدر ہے غم سے مرا واسطہ پڑا
"اب راس آسکے گی نہ کوئی خوشی مجھے"

خاکِ وطن ! میں کیا کروں اب تو ہی کچھ بتا
"اہلِ وطن سمجھنے لگے اجنبی مجھے"

کچھ تو ہو یادگارِ لہو میرا میرے پاس
"جاتا ہوں تیرے باغ سے دے اک کلی مجھے"

محفل میں سب کے سامنے ہنس ہنس کے دیکھنا
"بدنام کر نہ دے کہیں ان کی ہنسی مجھے"

پھر بارِ چشم لگتے ہیں گلشن کے سارے پھول
"جب خار زار لگتی ہے تیری گلی مجھے"

جگنو کے حوصلوں کے ہوئے معتبر سبھی
"دیتے پتہ ہیں شمس و قمر، چاندنی مجھے"

آگے ترے چراغ کے میں سرنگوں ہوئی
"کہتی ہوئی چلی ہے شبِ تیرگی مجھے"

آدھی کہانی کہہ کے زباں تھک گئی کمالؔ
"باقی فسانہ کہتی ہے اب خامشی مجھے"

☆☆☆☆

غــــزل

ف-س-اعجاز

بہت مشہور ہوتا جا رہا ہے
وہ گھر سے دور ہوتا جا رہا ہے

جو اب تک لگ رہا تھا زخم جیسا
وہی ناسور ہوتا جا رہا ہے

مرے اندر کا اک مزدور انساں
تھکن سے چُور ہوتا جا رہا ہے

مجھے حیرت ہے میں جو کہہ رہا ہوں
اسے منظور ہوتا جا رہا ہے

سہارا ڈھونڈتی ہے پیاس کوئی
بدن مجبور ہوتا جا رہا ہے

دلوں میں آگ جو ہے بجھ نہ جائے
دھواں کافور ہوتا جا رہا ہے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

وہ اب مغرور ہوتا جا رہا ہے
"بہت مشہور ہوتا جا رہا ہے"

جسے چھوڑا گیا پھوڑا سمجھ کر
"وہی ناسور ہوتا جا رہا ہے"

مرا دل یاد کرتے کرتے تجھ کو
"تھکن سے چُور ہوتا جا رہا ہے"

جو نامنظور کرتا جا رہا ہوں
"اسے منظور ہوتا جا رہا ہے"

در و دیوار سب اس سے خفا ہیں
"وہ گھر سے دور ہوتا جا رہا ہے"

مرے دل کی ہر اک خواہش کے آگے
"بدن مجبور ہوتا جا رہا ہے"

لگی تھی آگ جو ، اب تک لگی ہے
"دھواں کافور ہوتا جا رہا ہے"

☆☆☆☆☆

غــــزل

شہود عالم آفاقی

برسات کا اُدھر ہے دماغ آسمان پر
چھپّر اِدھر نہیں ہے ہمارے مکان پر

مسجد میں اس کو دیکھ کے حیران رہ گیا
تنقید کر رہا تھا جو کل تک اذان پر

کاغذ کے بال و پر پہ بھروسہ نہ کیجیے
جانا اگر ہے آپ کو اونچی اُڑان پر

اب تک رمق حیات کی پیدا نہ ہوسکی
کیا میں لہو چھڑکتا رہا ہوں چٹان پر

دوچار ہاتھ اُڑ کے زمیں پر جو آگئے
تنقید کر رہے ہیں ہماری اُڑان پر

اہلِ خرد نے توڑ دیں سب بندشیں شہودؔ
ناسخ کا اب اجارہ نہیں ہے زبان پر

☆☆☆☆

آدھی غزل

دیوار ڈھہہ نہ جائے ، بن آئی ہے جان پر
"برسات کا اُدھر ہے دماغ آسمان پر"

بارش کبھی تو دھوپ کی شدت کبھی ادھر
"چھپّر اِدھر نہیں ہے ہمارے مکان پر"

آفت پڑی تو آج وہی سجدہ ریز ہے
"تنقید کر رہا تھا جو کل تک اذان پر"

ہمت سے کام لیجے ، پر و بال سے نہیں
"جانا اگر ہے آپ کو اونچی اُڑان پر"

آہوں کا میری اس پہ اثر کچھ نہیں ہوا
"کیا میں لہو چھڑکتا رہا ہوں چٹان پر"

وہ جو ہوا نہ ہو تو پتنگیں اُڑا نہ پائیں
"تنقید کر رہے ہیں ہماری اُڑان پر"

ہر ایرا غیرا آج زباں کھولنے لگا
"ناسخ کا اب اجارہ نہیں ہے زبان پر"

☆☆☆☆

غــــــزل

انجم عظیم آبادی

حور و غلماں کے طلب گار سے واقف میں ہوں
صاحبِ جبّہ و دستار سے واقف میں ہوں

شہر میں آپ فرشتوں سے بھی بڑھ کر ٹھہرے
ہاں ، مگر آپ کے کردار سے واقف میں ہوں

حق نوائی کا سمجھتا ہوں اسے میں انعام
قید و زنداں ، رسن و دار سے واقف میں ہوں

وہ ہے مجبور طلب سے بھی سوا دینے پر
خوبیِ جرأتِ اظہار سے واقف میں ہوں

مفلسی چومتی رہتی ہے درِ اہلِ دول
اے عدالت ترے کردار سے واقف میں ہوں

سر سلامت ہے تو روزن بھی بنا لوں گا میں
حبس تیرے در و دیوار سے واقف میں ہوں

کبر و نخوت کا ہے الزام عبث انجم پر
اس کے اخلاص سے افکار سے واقف میں ہوں

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

حضرتِ شیخ کے کردار سے واقف میں ہوں
''حور و غلماں کے طلب گار سے واقف میں ہوں''

ان کی خوش پوشی مجھے دھوکہ نہیں دے سکتی
''صاحبِ جبّہ و دستار سے واقف میں ہوں''

آپ کی خوبیِ گفتار کا قائل ہے جہاں
''ہاں، مگر آپ کے کردار سے واقف میں ہوں''

مسند و منصب و دربار سے واقف ہیں آپ
''قید و زنداں، رسن و دار سے واقف میں ہوں''

مجھ کو حالِ غمِ دل کہنے کا فن آتا ہے
''خوبیِ جرأتِ اظہار سے واقف میں ہوں''

مجھ کو ناکردہ گناہی کی سزا تُو دے گی
''اے عدالت ترے کردار سے واقف میں ہوں''

منتظر ہے یہ اسیری مری ضربِ سر کی
''حبس تیرے در و دیوار سے واقف میں ہوں''

میں نے اس شخص کو نزدیک سے دیکھا ہے کمالؔ
''اس کے اخلاص سے افکار سے واقف میں ہوں''

☆☆☆☆☆

غـــــزل

منور رانا

میں اس سے پہلے کہ بکھروں اِدھر اُدھر ہو جاؤں
مجھے سنبھال لے ممکن ہے دربدر ہو جاؤں

یہ آب و تاب جو مجھ میں ہے سب اسی سے ہے
اگر وہ چھوڑ دے مجھ کو تو میں کھنڈر ہو جاؤں

مری مدد سے کھجوروں کی فصل پکنے لگے
میں چاہتا ہوں کہ صحرا کی دوپہر ہو جاؤں

میں آس پاس کے موسم سے ہوں تر و تازہ
میں اپنے جھنڈ سے نکلوں تو بے ثمر ہو جاؤں

بڑی عجیب سی حدت ہے اس کی یادوں میں
اگر میں چھو لوں پسینے سے تر بہ تر ہو جاؤں

میں کچی مٹی کی صورت ہوں تیرے ہاتھوں میں
مجھے تو ڈھال دے ایسے کہ معتبر ہو جاؤں

بچی کھچی ہوئی سانسوں کے ساتھ پہنچانا
سنو ہواؤ ، اگر میں شکستہ پَر ہو جاؤں

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

تو میری سانسوں میں بس جائے تو میں گھر ہو جاؤں
''مجھے سنبھال لے ممکن ہے دربدر ہو جاؤں''

سجا لے پھول کی مانند اپنے جوڑے میں
''میں اس سے پہلے کہ بکھروں اِدھر اُدھر ہو جاؤں''

وہ کہہ رہا ہے تو انکار بھی نہیں مجھ کو
''اگر وہ چھوڑ دے مجھ کو تو میں کھنڈر ہو جاؤں''

میں چاہتا تھا کہ سایہ بنوں درختوں کا
''میں چاہتا ہوں کہ صحرا کی دوپہر ہو جاؤں''

میں کارواں سے الگ ہو کے مارا مارا پھروں
''میں اپنے جھنڈ سے نکلوں تو بے ثمر ہو جاؤں''

مجھے اُچھال دے ایسے کہ ٹوٹ جاؤں یا
''مجھے تو ڈھال دے ایسے کہ معتبر ہو جاؤں''

بلندیوں سے زمیں پر مجھے پٹک دینا
''سنو ہواؤ ، اگر میں شکستہ پَر ہو جاؤں''

کمالؔ اس کے بدن میں عجیب گرمی ہے
''اگر میں چھو لوں پسینے سے تر بہ تر ہو جاؤں''

☆☆☆☆☆

غـــزل

حلیم صابر

جگمگائی ان کے بام و در کی دھوپ
پڑ گئی پیلی ہمارے گھر کی دھوپ

پھوس کا چھپر ہوا میں اُڑ گیا
گھر کے اندر آگئی باہر کی دھوپ

ان کے سر پر ہے زمانے بھر کی چھاؤں
اور میرے سر پہ دنیا بھر کی دھوپ

کر رہا ہے سائے میں آرام وہ
میرے سر پہ رکھ کے اپنے سر کی دھوپ

چند لمحوں میں کروڑوں میل سے
کیسے اُڑ کر آگئی بے پر کی دھوپ

سوچئے تو کانپ اُٹھتا ہے جگر
کیا غضب کی ہوگی وہ محشر کی دھوپ

سب تھے صاؔبر دربدر کی چھاؤں میں
چھانتے ہم رہ گئے دردر کی دھوپ

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

لے کے میرے ، اس کے اُس کے گھر کی دھوپ
''جگمگائی ان کے بام و در کی دھوپ''

جانے کس کی لگ گئی ہے نظر بد
''پڑ گئی پیلی ہمارے گھر کی دھوپ''

کھڑکی کھولی تھی ہوا کے واسطے
''گھر کے اندر آگئی باہر کی دھوپ''

مانگتا ہے وہ دعا برسات کی
''میرے سر پہ رکھ کے اپنے سر کی دھوپ''

میرے سر پہ سائباں تھا ابر کا
''کیسے اُڑ کر آگئی بے پر کی دھوپ''

یہ اگر ہے جون کا سورج تو سوچ
''کیا غضب کی ہوگی وہ محشر کی دھوپ''

عمر ساری کٹ گئی اس کام میں
''چھانتے ہم رہ گئے دردر کی دھوپ''

میرے دل میں غم زمانے کے ، کمالؔ
''اور میرے سر پہ دنیا بھر کی دھوپ''

☆☆☆☆☆

غـــــزل

معصوم شرقی

قریب رہ کے بھی اب ان سے واسطہ ہی نہیں
کہ رسم و راہ کا اب کوئی سلسلہ ہی نہیں

بلا رہی ہے مجھے منزل وفا ، لیکن
قدم بڑھاؤں کدھر کوئی راستہ ہی نہیں

میں کس طرح اسے دیکھوں بھلا نظر بھر کے
نگاہ اس سے ملانے کا حوصلہ ہی نہیں

میں پتھروں کی رذالت پہ کیا کروں تنقید
کسی کے ہاتھ میں جب کوئی آئینہ ہی نہیں

مری حیات پہ یوں رنج و غم کے سائے ہیں
مرا خوشی سے کوئی جیسے واسطہ ہی نہیں

گواہی کے لئے لائیں کہاں سے سچے گواہ
ہمارے شہر میں سچا گواہ تھا ہی نہیں

بیان کس سے کروں اپنا حالِ دل معصوم
قریب و دور کوئی مجھ سے آشنا ہی نہیں

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

میں ان کو یاد بھی ہوں یا نہیں ، پتہ ہی نہیں
"کہ رسم و راہ کا اب کوئی سلسلہ ہی نہیں"

وہ میرے پاس ہیں بیٹھے پر ایسے بیٹھے ہیں
"قریب رہ کے بھی اب ان سے واسطہ ہی نہیں"

عجب سفر پہ روانہ کیا گیا ہے مجھے
"قدم بڑھاؤں کدھر کوئی راستہ ہی نہیں"

کسی کے ہاتھ میں پتھر بھی ہو تو کیوں آخر
"کسی کے ہاتھ میں جب کوئی آئینہ ہی نہیں"

کبھی بھی بھولے سے آتی نہیں ہنسی لب پر
"مرا خوشی سے کوئی جیسے واسطہ ہی نہیں"

ہمیں ذرا بھی شکایت نہیں ہے منصف سے
"ہمارے شہر میں سچا گواہ تھا ہی نہیں"

یہ کس مقام پہ لائی ہے زندگی مجھ کو
"قریب و دور کوئی مجھ سے آشنا ہی نہیں"

میں زندگی سے کمالؔ اس قدر پشیماں ہوں
"نگاہ اس سے ملانے کا حوصلہ ہی نہیں"

☆☆☆☆☆

غزل

ایم-علی

منزل پہ پہنچنا بھی ہے ، رستا بھی نہیں ہے
چلنا بھی ہے دشوار سا ، رکنا بھی نہیں ہے

کیا صبحِ تمنا ہے یہ کیا شامِ آرزو
سورج بھی نہیں ہے ، کہیں سایہ بھی نہیں ہے

شیطان بھی حیران ہے پائی ہے وہ قسمت
عقبیٰ بھی نہیں ہے مری دنیا بھی نہیں ہے

اک شے جو نظر آتی ہے شانے سے جڑی سی
چہرہ بھی ہے اے دوست وہ چہرا بھی نہیں ہے

یہ شہر کی تہذیب ہے مت چونکئے صاحب
کوئی بھی نہیں غیر سا ، اپنا بھی نہیں ہے

ہے دل پہ عجب ایک اثر اس کی نظر کا
بے چین بھی لگتا نہیں ، بہلا بھی نہیں ہے

اشکوں میں جھلکتی ہے یوں تصویر کسی کی
پردہ بھی نہیں ہے اسے دیکھا بھی نہیں ہے

جلتا ہوا بہتا ہوا احساس علی کا
صحرا بھی نہیں ہے کوئی دریا بھی نہیں ہے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

اب لوٹ کے جانے کا ارادہ بھی نہیں ہے
''چلنا بھی ہے دشوار سا ، رکنا بھی نہیں ہے''

کیسی ہے یہ افتاد پڑی اب کے سفر میں
''منزل پہ پہنچنا بھی ہے ، رستا بھی نہیں ہے''

کیا خاک مزہ آئے گا اب ایسے سفر میں
''سورج بھی نہیں ہے ، کہیں سایہ بھی نہیں ہے''

گزرے ہیں شب و روز و مہ و سال کچھ ایسے
''عقبیٰ بھی نہیں ہے مری دنیا بھی نہیں ہے''

آئینہ پریشاں ہے حیران ہوں میں بھی
''چہرہ بھی ہے اے دوست وہ چہرا بھی نہیں ہے''

تنہائی کی اک شکل تو یہ بھی ہے ، مرے دل!
''کوئی بھی نہیں غیر سا ، اپنا بھی نہیں ہے''

ہوں دل کی میں افتاد طبیعت سے پریشاں
''بے چین بھی لگتا نہیں ، بہلا بھی نہیں ہے''

نظروں سے بہت دور ہے آنکھوں میں بسا ہے
''پردہ بھی نہیں ہے اسے دیکھا بھی نہیں ہے''

اب پیاس بڑھاتا نہ بجھاتا ہے مری کوئی
''صحرا بھی نہیں ہے کوئی دریا بھی نہیں ہے''

☆☆☆☆☆

غــــزل

نورپیکر

میں ہوں بہت اُداس طبیعت لگی رہے
کچھ دیر دوستوں کی یہ محفل جمی رہے

آنکھیں نہ اپنی پھیر کہ ان میں ہیں دو چراغ
کچھ دیر میرے سامنے یہ روشنی رہے

ملتا کہاں ہے مجھ سے ہر اک شخص کا مزاج
ممکن نہیں کہ شہر میں سب سے بنی رہے

سوچوں تجھے تو چھیڑنے والا کوئی نہ ہو
یونہی ترے خیال کی دنیا بسی رہے

اس کو سمجھ نہ پائے رفاقت کے باوجود
برسوں چلے ہیں ساتھ مگر اجنبی رہے

مجھ سے خفا وہ ہو کے چلا جائے بھی مگر
آنگن میں اس کے جسم کی خوشبو بسی رہے

گر کر بلندیوں سے بکھر تو گئے مگر
ہم آئینہ تھے ، ٹوٹ کے آئینہ ہی رہے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

موجود وہ نہ ہو بھی تو موجودگی رہے
"آنگن میں اس کے جسم کی خوشبو بسی رہے"

یارو مجھے سناؤ کوئی میرؔ کی غزل
"میں ہوں بہت اُداس طبیعت لگی رہے"

میرے خلاف ہو ذرا کچھ دیر گفتگو
"کچھ دیر دوستوں کی یہ محفل جمی رہے"

تصویر اس حسین کی رہنے دو میز پر
"کچھ دیر میرے سامنے یہ روشنی رہے"

ممکن نہیں چمن میں سب اک جیسے پھول ہوں
"ممکن نہیں کہ شہر میں سب سے بنی رہے"

وہ میرا ہم قدم ہے مرا ہم سفر نہیں
"برسوں چلے ہیں ساتھ مگر اجنبی رہے"

تُو آئے بھی تو آنے کی مجھ کو خبر نہ ہو
"یونہی ترے خیال کی دنیا بسی رہے"

سر ہو گیا قلم پہ کبھی خم نہیں ہوا
"ہم آئینہ تھے، ٹوٹ کے آئینہ ہی رہے"

☆☆☆☆☆

غـــــزل

اکبر حسین اکبر

ٹال دینے کے سوا تم ہم کو کیا دیتے رہے
روشنی کو تو اندھیرے بھی جگہ دیتے رہے

کون سمجھے کیوں جرس کی ان سنی کردی پکار
کیا سمجھ کر ہم بگولوں کو صدا دیتے رہے

کچھ بھلے لوگوں کی صحبت میں نفی موجود تھی
کچھ بُرے بھی ہم کو اچھا مشورہ دیتے رہے

میرے آب و گل میں شاید ہے توازن کی کمی
تم کہ مجھ کو بے وفائی کی سزا دیتے رہے

اب وہی اک شخص ہے میرے خسارے کا سبب
میرے دونوں ہاتھ جس کو فائدہ دیتے رہے

تیزگامی نے تری اکبر اُڑائی گردِ راہ
ہم سبک رو راستوں کو نقش پا دیتے رہے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

اپنی محفل میں رقیبوں کو تو جا دیتے رہے
''ٹال دینے کے سوا تم ہم کو کیا دیتے رہے''

کیا پتہ کیوں آپ سے تھی ہم کو اُمید وفا
''کیا سمجھ کر ہم بگولوں کو صدا دیتے رہے''

زخم ہائے دل کی، کانٹوں ہی نے کی، بخیہ گری
''کچھ بُرے بھی ہم کو اچھا مشورہ دیتے رہے''

میں کہ وہ اک باوفا جو خامشی سے سہہ گیا
''تم کہ مجھ کو بے وفائی کی سزا دیتے رہے''

میرے دونوں ہاتھ اسی نے کاٹ ڈالے دیکھئے
''میرے دونوں ہاتھ جس کو فائدہ دیتے رہے''

ہم نہ ہوتے تو نہ ملتا تم کو منزل کا پتہ
''ہم سبک رو راستوں کو نقش پا دیتے رہے''

تم ہی آنکھیں بند کر کے بیٹھے ہو، ورنہ کمالؔ
''روشنی کو تو اندھیرے بھی جگہ دیتے رہے''

☆☆☆☆☆

غـــــزل

رضا جونپوری

راہ کیوں بھول گیا راہ بتانے والا
کیسے اندھا ہوا آئینہ دکھانے والا

میں تو ہر غم کو ہوں سینے سے لگانے والا
کوئی دلبر تو ملے دل کو دُکھانے والا

وہ خطاوار ہوئے جن کی خطا کوئی نہیں
کیا یہی وقت تھا انسان پہ آنے والا

جام کیا دے گا مجھے جام ہے خالی جس کا
خود ہی پیاسا ہے مری پیاس بجھانے والا

اس سے اُمید بھی رکھیں تو ہمیں کیا دے گا
خود ہی روتا ہو اگر سب کو ہنسانے والا

وار یہ آپ کا الٹا نہ کہیں پڑ جائے
چوک جاتا ہے کبھی اچھے نشانے والا

وقت آیا تو رضؔا سامنے آیا نہ کوئی
میری آواز میں آواز ملانے والا

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

قافلے پر ہے بُرا وقت اب آنے والا
''راہ کیوں بھول گیا راہ بتانے والا''

مسخ چہروں نے تو پھوڑیں نہیں آنکھیں اس کی
''کیسے اندھا ہوا آئینہ دکھانے والا''

غمِ جاناں ، غمِ دوراں ، غمِ دنیا ، غمِ دل
''میں تو ہر غم کو ہوں سینے سے لگانے والا''

کوئی پتھر تو چلے سر کو جو زخمی کر دے
''کوئی دلبر تو ملے دل کو دُکھانے والا''

ہر کوئی کرنے لگا دعویٰ خدائی کا اب
''کیا یہی وقت تھا انسان پہ آنے والا''

تشنگی میری پشیمان ہوئی جاتی ہے
''خود ہی پیاسا ہے مری پیاس بجھانے والا''

بانٹ لے کاش کوئی اس کے بھی حصے کا غم
''خود ہی روتا ہو اگر سب کو ہنسانے والا''

کوئی تو ہو ، کہیں تو ہو ، کبھی تو ہو اے کاش
''میری آواز میں آواز ملانے والا''

ڈوب جاتا ہے کبھی موجوں میں تیراک کمالؔ
''چوک جاتا ہے کبھی اچھے نشانے والا''

☆☆☆☆☆

غـــــزل

کلیم حاذق

سانس لینا بھی تو دشوار نظر آیا مجھے
شہر کا شہر ہی بیمار نظر آیا مجھے

سر کے بل اس کے بلاوے پہ چلا ہی جاتا
اس کی آنکھوں میں خریدار نظر آیا مجھے

خوبیِ بادہ پہ ہر رنگ نچھاور لیکن
وہ بھی رنگوں میں گرفتار نظر آیا مجھے

لذت بادہ سے روشن ہوا ساقی کا مزاج
سوکھے ہونٹوں پہ بھی کچھ پیار نظر آیا مجھے

تشنگی اتنی کہ کہرام ہے دریا دریا
اور دریا ہے کہ سرشار نظر آیا مجھے

مدتوں بعد کسی لب پہ مرا نام آیا
کوئی دیوانہ سرِدار نظر آیا مجھے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

پیڑ صحرا میں ثمردار نظر آیا مجھے
''سوکھے ہونٹوں پہ بھی کچھ پیار نظر آیا مجھے''

زندہ رہنے کی بھلا کیسے جسارت کرتا
''سانس لینا بھی تو دشوار نظر آیا مجھے''

حوصلہ ہار گئی میری مسیحائی بھی
''شہر کا شہر ہی بیمار نظر آیا مجھے''

بس اسی واسطے بکنے پہ ہوا میں راضی
''اس کی آنکھوں میں خریدار نظر آیا مجھے''

تشنگی سے مری صحرا ہوا مغموم بہت
''اور دریا ہے کہ سرشار نظر آیا مجھے''

اب اندھیرے سے اُجالے کی کرن پھوٹے گی
''کوئی دیوانہ سرِدار نظر آیا مجھے''

جس پہ سجتی تھی کبھی سادہ لباسی کمالؔ
''وہ بھی رنگوں میں گرفتار نظر آیا مجھے''

☆☆☆☆☆

غــــزل

عرفان بنارسی

خوب گوشے مدد کے نکالے گئے
ہم کو ٹھوکر لگی وہ سنبھالے گئے

اک اندھیرا سا ہے شہر سے گاؤں تک
جانے کس سمت سارے اُجالے گئے

قریہ قریہ لہو کا سمندر بنا
راستے راستے سر اُچھالے گئے

پتھروں کی تھی بارش ہر اک سمت سے
وہ ہمی تھے جو سر کو بچا لے گئے

ان سے پوچھے کوئی منزلوں کا پتہ
جن کے پیروں سے کانٹے نکالے گئے

ہم کو خوابوں کی دنیا میں رکھا گیا
ہم حقیقت میں کب دیکھے بھالے گئے

ہم تھے گمنام عرفانؔ جانے کہاں
ان کی محفل میں سب نام والے گئے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

سارے پتھر ہمی پر اُچھالے گئے
''وہ ہمی تھے جو سر کو بچا لے گئے''

میرے حالِ غمِ دل کے چرچے ہوئے
''خوب گوشے مدد کے نکالے گئے''

یہ تعلق بھی کچھ کم نہیں دوستو
''ہم کو ٹھوکر لگی وہ سنبھالے گئے''

ساری شمعیں تو روشن یہیں ہیں مگر
''جانے کس سمت سارے اُجالے گئے''

تیغ و تبر و سناں کی نمائش ہوئی
''راستے راستے سر اُچھالے گئے''

گھر سے باہر ابھی وہ گئے ہی نہیں
''جن کے پیروں سے کانٹے نکالے گئے''

سرسری اک نظر ہم پہ ڈالی گئی
''ہم حقیقت میں کب دیکھے بھالے گئے''

داخلہ عشق والوں کا ممنوع تھا
''ان کی محفل میں سب نام والے گئے''

☆☆☆☆☆

غــــزل

فراغ روہوی

چراغِ جاں جلاؤ گے کہاں تک
اندھیرا یوں مٹاؤ گے کہاں تک

ہماری حد سے واقف ہے زمانہ
ہمارا قد گھٹاؤ گے کہاں تک

ہمارا ڈر نکل جائے گا اک دن
ہمیں آنکھیں دکھاؤ گے کہاں تک

تمہارے ساتھ کب سے چل رہے ہیں
بتاؤ اور جاؤ گے کہاں تک

بھنور کی زد میں جب سب کچھ ہے یارو
سفینے کو بچاؤ گے کہاں تک

نہ ہارے تھے نہ ہاریں گے کبھی ہم
ہمیں تم آزماؤ گے کہاں تک

ہوا پا کر بھڑک اُٹھیں گے اک دن
شراروں کو دباؤ گے کہاں تک

فراؔغ ان سے جو کہنا ہے وہ کہہ دو
خموشی اوڑھ پاؤ گے کہاں تک

☆☆☆☆

آدھی غزل

کہو ایسے ڈراؤ گے کہاں تک
''ہمیں آنکھیں دکھاؤ گے کہاں تک''

اندھیرے ہی اندھیرے ہیں ہر سو
''چراغِ جاں جلاؤ گے کہاں تک''

چلے ہو جگنوؤں کی فوج لے کر
''اندھیرا یوں مٹاؤ گے کہاں تک''

کھجوروں کے درختوں جیسے ہیں ہم
''ہمارا قد گھٹاؤ گے کہاں تک''

ہوئے برباد میری دشمنی میں
''بتاؤ اور جاؤ گے کہاں تک''

ڈبو دینے میں ساحل کم نہیں ہے
''سفینے کو بچاؤ گے کہاں تک''

چڑھا دو گے ستونِ دار پر کیا
''ہمیں تم آزماؤ گے کہاں تک''

تم اب تو عشق کا اقرار کر لو
''شراروں کو دباؤ گے کہاں تک''

وہ پوچھیں گے تمہارا حالِ دل جب
''خموشی اوڑھ پاؤ گے کہاں تک''

☆☆☆☆

غـــزل

عاصم شہنواز شبلی

کیا خاک راہ و رسم کسی سے بڑھائیں اب
جی چاہتا ہے تجھ کو بھی ہم بھول جائیں اب

بے رنگ و بو کا پھول ہوئیں آشنائیاں
ہم باغِ جاں سجائیں تو کس سے سجائیں اب

پھیلے ہیں جال چار طرف عنکبوت کے
رہنے لگی ہیں کیا مرے گھر میں بلائیں اب

کرفیو ہے سخت ، شور مگر ہے وہی جو تھا
آتی ہیں کس علاقے سے ساری صدائیں اب

یہ کیا کہ سر خمیدہ ہمیشہ رہیں ہمیں
لو ہم بھی روٹھتے ہیں وہ آ کر منائیں اب

ہاتھوں کو اپنے کب سے اُٹھائے ہیں کیا کہیں
لگتا ہے بے اثر ہوئیں ساری دعائیں اب

کس منزلِ حیات پہ لائی ہے زندگی
بے وزن و بے وقار ہیں ساری صدائیں اب

کب تک سنیں گے بچوں سے ان کی کہانیاں
ان کو بھی آپ اپنی کہانی سنائیں اب

وہ دور اور تھا کہ تھا عاصمؔ بھی گوشہ گیر
وہ بھی نکل پڑا تو ہے گھر سائیں سائیں اب

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

سو زخم دل پہ کھا چکے کیوں اور کھائیں اب
"کیا خاک راہ و رسم کسی سے بڑھائیں اب"

دنیا کو بھول کر بھی نہیں راحتیں نصیب
"جی چاہتا ہے تجھ کو بھی ہم بھول جائیں اب"

اب زخمِ دل کے پھول شگفتہ نہیں رہے
"ہم باغِ جاں سجائیں تو کس سے سجائیں اب"

دیوار و در سے خوف ٹپکتا ہے رات دن
"رہنے لگی ہیں کیا مرے گھر میں بلائیں اب"

لگتا ہے سر پہ سنگ نہ سینے پہ کوئی تیر
"لگتا ہے بے اثر ہوئیں ساری دعائیں اب"

الفاظ کھو چکے ہیں معانی کی اہمیت
"بے وزن و بے وقار ہیں ساری صدائیں اب"

دل کے معاملے میں مساوات چاہیے
"لو ہم بھی روٹھتے ہیں وہ آ کر منائیں اب"

جو یہ سمجھتے ہیں فقط ان کا ہے غم بڑا
"ان کو بھی آپ اپنی کہانی سنائیں اب"

دل میں تمہارے درد سے تھیں ساری رونقیں
"وہ بھی نکل پڑا تو ہے گھر سائیں سائیں اب"

دل سے اُٹھیں کہ جاں سے، کہاں سے اُٹھیں کمال
"آتی ہیں کس علاقے سے ساری صدائیں اب"

☆☆☆☆☆

غــــزل

ضمیر یوسف

عجیب دل ہے وفا پر بھروسہ کرتا ہے
چراغ ہو کے ہوا پر بھروسہ کرتا ہے

کبھی شکست سے دوچار ہو نہیں سکتا
وہ آدمی جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے

عجب ہے ان دنوں کیفیتِ دلِ محزوں
نہ یہ دوا نہ دعا پر بھروسہ کرتا ہے

اس آدمی کو میں خوددار کہہ نہیں سکتا
جو دوسروں کی عطا پر بھروسہ کرتا ہے

وہ کیوں کسی کی صداؤں سے ہو بھلا مرعوب
جو اپنی طرزِ نوا پر بھروسہ کرتا ہے

ہمارے ساتھ ہماری شرافتیں ہیں ضمیر
وہ اپنی تیغِ جفا پر بھروسہ کرتا ہے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

سفینہ موجِ بلا پر بھروسہ کرتا ہے
"چراغ ہو کے ہوا پر بھروسہ کرتا ہے"

وفا کے نام پہ سو بار ٹوٹا ہے ، پھر بھی
"عجیب دل ہے وفا پر بھروسہ کرتا ہے"

وہ ناخدا سے کبھی التجا نہیں کرتا
"وہ آدمی جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے"

مریض کو ہے مسیحا کے قرب سے مطلب
"نہ یہ دوا نہ دعا پر بھروسہ کرتا ہے"

پڑھا رہا ہے وہ خودداری کا سبق سب کو
"جو دوسروں کی عطا پر بھروسہ کرتا ہے"

اسے ہے لفظ کی حرمت کا خوب اندازہ
"جو اپنی طرزِ نوا پر بھروسہ کرتا ہے"

میں اپنی مہر و وفا پر بھروسہ کرتا ہوں
"وہ اپنی تیغِ جفا پر بھروسہ کرتا ہے"

☆☆☆☆☆

غــــزل

تسلیم نیازی

نہا کے دیکھتے کپڑے بدل کے دیکھتے ہیں
چل آج ہم ترے سانچے میں ڈھل کے دیکھتے ہیں

جس ایک رہ میں سنا ہے نہیں کوئی منزل
ہم اب کی بار اسی رہ پہ چل کے دیکھتے ہیں

اگر سوال ہے لازم جواب کی خاطر
تو اس کے سامنے ہم بھی مچل کے دیکھتے ہیں

تمہارے جیسے تو جلتے ہیں دیکھ کر ہم کو
ہمارے جیسے تم ایسوں پہ جل کے دیکھتے ہیں

تری نظر سے ہمیں گر کے اچھا لگتا ہے
ہم اس ڈھلان سے اکثر پھسل کے دیکھتے ہیں

تمہارا نام سنیں اور یہ ٹھہر جائیں
تمہیں تو آنکھ سے آنسو نکل کے دیکھتے ہیں

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

پلک سے گرتے ہیں ، گالوں پہ ڈھل کے دیکھتے ہیں
''تمھیں تو آنکھ سے آنسو نکل کے دیکھتے ہیں''

ہر ایک حال میں آئینہ منھ چڑھاتا ہے
''نہا کے دیکھتے ، کپڑے بدل کے دیکھتے ہیں''

وہ ایک راہ جو سونی پڑی ہے برسوں سے
''ہم اب کی بار اسی رہ پہ چل کے دیکھتے ہیں''

مچلنے والوں سے اس کو عجیب رغبت ہے
''تو اس کے سامنے ہم بھی مچل کے دیکھتے ہیں''

تمھارے جیسے نہیں اہل اس کے بھی ، لیکن
''ہمارے جیسے تم ایسوں پہ جل کے دیکھتے ہیں''

بہت سنبھل کے قدم رکھتے ہیں جہاں سب لوگ
''ہم اس ڈھلان سے اکثر پھسل کے دیکھتے ہیں''

کریں گے ہم ترے لہجے میں تجھ سے باتیں اب
''چل آج ہم ترے سانچے میں ڈھل کے دیکھتے ہیں''

☆☆☆☆☆

غـــزل

صابر اقبال

ادب سے بات کرنی ہو تو آسانی نہیں ہوتی
غزل اتنی مہذب ہے کہ من مانی نہیں ہوتی

وقار و حیثیت ، سود و زیاں ، کیا کیا پرکھتی ہے
محبت پہلے جیسی آج دیوانی نہیں ہوتی

حسیں چہرے جو شامل ہوں تو محفل خوب جمتی ہے
خیالوں میں مگر وہ پاک دامانی نہیں ہوتی

سیاست کے مزاج مبتذل سے جو بھی واقف ہیں
کسی بھی بات پر اب ان کو حیرانی نہیں ہوتی

سبھی کچھ پانے کی خواہش ہی بکھراؤ کا باعث ہے
جو فطرت میں قناعت ہو ، پریشانی نہیں ہوتی

فنا فصل فرازی ہے یقیں کی خشک سالی سے
کہیں دنیا میں ہریالی تو بن پانی نہیں ہوتی

تصور میں وہ صابرؔ دستِ شفقت سر پہ رکھتی ہے
نہیں رہتی ہے ماں ، ممتا مگر فانی نہیں ہوتی

☆☆☆☆

آدھی غزل

وہ مر کر بھی مری مشکل سے انجانی نہیں ہوتی
"نہیں رہتی ہے ماں، ممتا مگر فانی نہیں ہوتی"

ادب کی بات کرنا تو بڑا آسان ہوتا ہے
"ادب سے بات کرنی ہو تو آسانی نہیں ہوتی"

خرد سے بات کرتی ہے پھر اس پر غور کرتی ہے
"محبت پہلے جیسی آج دیوانی نہیں ہوتی"

زباں سے پاک دامانی کی باتیں خوب ہوتی ہیں
"خیالوں میں مگر وہ پاک دامانی نہیں ہوتی"

جو تیری بے وفائی پر بہت حیران تھے کل تک
"کسی بھی بات پر اب ان کو حیرانی نہیں ہوتی"

ہم اپنے خوابوں کی تکمیل میں نیندیں گنواتے ہیں
"جو فطرت میں قناعت ہو، پریشانی نہیں ہوتی"

میں اپنے آنسوؤں سے زخم دل شاداب رکھتا ہوں
"کہیں دنیا میں ہریالی تو بن پانی نہیں ہوتی"

کمآل اک شعر کہنے میں پسینے چھوٹ جاتے ہیں
"غزل اتنی مہذب ہے کہ من مانی نہیں ہوتی"

☆☆☆☆☆

غـــزل

خواجہ جاوید اختر

مرا خود سے ملنے کو جی چاہتا ہے
بہت اپنے بارے میں ، میں نے سنا ہے

سکوں سے کوئی گھر میں بیٹھا ہوا ہے
کوئی خواب میں دوڑتا بھاگتا ہے

ادب میں بہت کچھ پرانا ہے لیکن
ہمیں دیکھنا ہے کہ کیا کچھ نیا ہے

جہاں آندھیوں نے جمائے تھے ڈیرے
ابھی تک وہاں ایک روشن دیا ہے

کوئی سو رہا ہے اُجالے میں دن کے
کوئی رات کے خوف سے جاگتا ہے

مجھے حال دل کا سنانا ہے جس کو
اسے میرے بارے میں سب کچھ پتا ہے

عجب شور محشر بپا ہے یقیناً
کسی شاخ سے کوئی پتہ گرا ہے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

بہت کچھ جو بازار میں بِک رہا ہے
"ہمیں دیکھنا ہے کہ کیا کچھ نیا ہے"

زمانہ ! مجھے تھوڑی مہلت عطا کر
"مرا خود سے ملنے کو جی چاہتا ہے"

کوئی مجھ سے میرا تعارف کرا دے
"بہت اپنے بارے میں، میں نے سنا ہے"

کوئی مضطرب ہو کے تکتا ہے راہیں
"سکوں سے کوئی گھر میں بیٹھا ہوا ہے"

میسّر نہیں ہے سکوں نیند میں بھی
"کوئی خواب میں دوڑتا بھاگتا ہے"

ہواؤں میں ہونے لگی کانا پھوسی
"ابھی تک وہاں ایک روشن دیا ہے"

اندھیرا مسلط ہوا ہے کچھ ایسا
"کوئی رات کے خوف سے جاگتا ہے"

مجھے زندگی خوب پہچانتی ہے
"اسے میرے بارے میں سب کچھ پتا ہے"

کسی آنکھ سے ایک آنسو کا قطرہ
"کسی شاخ سے کوئی پتّہ گرا ہے"

☆☆☆☆☆

غـــزل

شمیم انجم وارثی

نہ بھول کر بھی کبھی خواب تک دکھائے مجھے
زمانہ بیت گیا کھل کے مسکرائے مجھے

کبھی تو دل میں ، کبھی آنکھ میں بٹھائے مجھے
میں روٹھ جاؤں تو سو بار وہ منائے مجھے

میں اس کو بھول کے اک پل نہ جی سکوں گا کبھی
اگر یقین نہیں ہے تو آزمائے مجھے

میں جس کے واسطے جام و سبو لٹاتا رہا
ملا کبھی تو پلائی نہ ایک چائے مجھے

تکان ، نیند تو پلکوں پہ رکھ گئی ہے شمیم
کہاں ہے کوئی جو وقتِ سحر جگائے مجھے

☆☆☆☆

آدھی غزل

بھلا چکا ہے وہ کچھ اس طرح سے ہائے مجھے
''نہ بھول کر بھی کبھی خواب تک دکھائے مجھے''

جو ایک ہلکی ہنسی لب پہ ہے، غنیمت ہے
''زمانہ بیت گیا کھل کے مسکرائے مجھے''

مری جگہ وہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے
''کبھی تو دل میں، کبھی آنکھ میں بٹھائے مجھے''

اسی لئے تو میں ہر بار روٹھ جاتا ہوں
''میں روٹھ جاؤں تو سو بار وہ منائے مجھے''

اگر میں چاہوں تو اس کو بھلا بھی سکتا ہوں
''اگر یقین نہیں ہے تو آزمائے مجھے''

وہ جس کا شہر میں چرچا ہے میزبانی کا
''ملا کبھی تو پلائی نہ ایک چائے مجھے''

تمام رات کٹی میری رت جگے میں کمالؔ
''کہاں ہے کوئی جو وقتِ سحر جگائے مجھے''

☆☆☆☆

غــــزل

معراج احمد معراج

ستم کی زد میں ستم گر ضرور آئے گا
ہمارے ہاتھ میں خنجر ضرور آئے گا

اگر چلائے گا تو تیر آسماں کی طرف
وہ تیری سمت پلٹ کر ضرور آئے گا

میں مضمحل نہیں فرعون کے تعاقب سے
کہ راستے میں سمندر ضرور آئے گا

اسی اُمید پہ بیٹے کو کر رہا ہوں جدا
کہ وہ عرب سے کما کر ضرور آئے گا

تمہارے پیڑ میں پھل آئیں گے اگر معراجؔ
تمہارے صحن میں پتھر ضرور آئے گا

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

ہمارا وقت پلٹ کر ضرور آئے گا
"ہمارے ہاتھ میں خنجر ضرور آئے گا"

ستم زدوں کی دعائیں بھی رنگ لائیں گی
"ستم کی زد میں ستم گر ضرور آئے گا"

ملے گا جب نہ اسے دوسرا ترے جیسا
"وہ تیری سمت پلٹ کر ضرور آئے گا"

وہ ناؤ لے کے سفر کر رہا ہے صحرا میں
"کہ راستے میں سمندر ضرور آئے گا"

ضعیف باپ کی ہے آس اب بھی بیٹے سے
"کہ وہ عرب سے کما کر ضرور آئے گا"

تمہارے ہاتھ میں آئینہ ، پیڑ آنگن میں
"تمہارے صحن میں پتھر ضرور آئے گا"

☆☆☆☆☆

غزل

نوشاد مومن

مجھ سے کبھی اُصول کا سودا نہیں ہوا
زندہ ضمیر آج بھی مردا نہیں ہوا

دیوانے آپ کے تو ہزاروں تھے شہر میں
میری طرح مگر کوئی رسوا نہیں ہوا

قطرہ سہی زمانے میں پہچان تو رہی
اپنا وجود کھو کے میں دریا نہیں ہوا

جی بھر کے تم نے خون سے ہولی تو کھیل لی
چہرے کا رنگ اُڑ گیا ، گہرا نہیں ہوا

بت بھی تھے بے شمار خدا بھی تھے بے شمار
مجھ سے کسی کے پاؤں پہ سجدا نہیں ہوا

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

دنیا تو چاہتی تھی پر ایسا نہیں ہوا
"مجھ سے کبھی اُصول کا سودا نہیں ہوا"

ایسا نہیں کہ مجھ سا دوانہ نہیں کوئی
"میری طرح مگر کوئی رسوا نہیں ہوا"

میں نے تو خود کو رکھا ہے دربار سے الگ
"اپنا وجود کھو کے میں دریا نہیں ہوا"

کیا بات ہے کہ آج مجھے دیکھ کر، ترے
"چہرے کا رنگ اُڑ گیا، گہرا نہیں ہوا"

میں سر بلند تھا، مرا سر بھی بلند تھا
"مجھ سے کسی کے پاؤں پہ سجدا نہیں ہوا"

مردوں کے درمیان بھی زندہ ہوں میں کمآل
"زندہ ضمیر آج بھی مردا نہیں ہوا"

☆☆☆☆☆

غـــــزل

امان اللہ ساغر

بہ انداز محبت ہر سو مرے اغیار بیٹھے ہیں
نظر کے سامنے ہیں کچھ پس دیوار بیٹھے ہیں

وہ جن کی شخصیت اک روز وجۂ عظمت سر تھی
سنبھالے آج دونوں ہاتھوں سے دستار بیٹھے ہیں

کہیں یہ خوابِ منزل خواب منزل ہی نہ رہ جائے
کہ رہرو گامزن ہیں ، قافلہ سالار بیٹھے ہیں

ہمارا داغ رخ ہم کو دکھانے کے لئے کب سے
ہماری رہ گزر میں آئنہ بردار بیٹھے ہیں

ادھر گلدستۂ اُلفت سجا کر میں نے رکھا ہے
وہ میرے قتل کو لے کر اُدھر تلوار بیٹھے ہیں

نئی نسلوں کو ساغرؔ گم رہِ ادراک کرنے کو
لئے دامِ فریب علم کچھ فن کار بیٹھے ہیں

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

دیئے ہیں غم جنھوں نے وہ بنے غمخوار بیٹھے ہیں
''بہ انداز محبّ ہر سو مرے اغیار بیٹھے ہیں''

مجھے دونوں طرف کے دشمنوں سے جنگ کرنی ہے
''نظر کے سامنے ہیں کچھ پس دیوار بیٹھے ہیں''

خبر کیا آنے والے زلزلے کی ہوگئی ان کو؟
''سنبھالے آج دونوں ہاتھوں سے دستار بیٹھے ہیں''

یقیناً آگے چل کر رہزنوں کی ایک ٹولی ہے
''کہ رہرو گامزن ہیں، قافلہ سالار بیٹھے ہیں''

سنو ہمراہیو! رختِ سفر میں سنگ بھی رکھ لو
''ہماری رہ گزر میں آئنہ بردار بیٹھے ہیں''

میں جن کی اک نگاہِ ناز سے ہی مارا جاؤں گا
''وہ میرے قتل کو لے کر اُدھر تلوار بیٹھے ہیں''

کمالؔ اپنی جہالت کو ہمیں ان سے بچانا ہے
''لئے دام فریب علم کچھ فن کار بیٹھے ہیں''

☆☆☆☆☆

غـــزل

ممتاز انور

ہو گیا ہے چراغ پا پتھر
میں نے پتھر کو جب لکھا پتھر

میں نے ٹھوکر لگا کے دیکھا ہے
چوٹ کھا کر بھی چپ رہا پتھر

نام مجنوں کا جب لیا میں نے
میری جانب بھی چل گیا پتھر

پھول ہی پھول تیری راہوں میں
میری راہوں میں جا بہ جا پتھر

مجھ کو ہر لفظ نے کیا گھائل
تم نے پھینکا جو طنز کا پتھر

میری اس سے بھلا نبھے کیسے
ایک شیشہ تو دوسرا پتھر

ہر سو انورؔ بغاوتیں پھیلیں
تو بھی ہاتھوں میں اب اٹھا پتھر

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

میرے ماتھے پہ آ لگا پتھر
"میں نے پتھر کو جب لکھا پتھر"

میں نے دی تھی مثال سختی کی
"ہو گیا ہے چراغ پا پتھر"

اتنا بدنام ہے وہ بیچارہ
"چوٹ کھا کر بھی چپ رہا پتھر"

میں نے آئینے کو بچایا تو
"میری جانب بھی چل گیا پتھر"

معتبر ہو گیا ہے میرا جنوں
"میری راہوں میں جا بہ جا پتھر"

اک چھناکا ہوا مرے دل میں
"تم نے پھینکا جو طنز کا پتھر"

میں سخن ور ہوں تو سیاست داں
"ایک شیشہ تو دوسرا پتھر"

ہو گیا ہے لہو لہو ترا سر
"تو بھی ہاتھوں میں اب اُٹھا پتھر"

☆☆☆☆☆

غـــــزل

سلیم سرفراز

اچھا تھا کوئی خواب نظر میں نہ پالتے
اک عمر صرف ہوگئی ان کو سنبھالتے

دنیا سنوارنے میں رہی اپنے خال و خد
ہم آئنوں پہ رہ گئے پتھر اُچھالتے

آخر غبارِ دشت کے ہمراہ ہو لئے
کب تک ہم اس کو وعدۂ فردا پہ ٹالتے

کیڑے نکالتے ہیں گل نو بہ نو میں آپ
کیا خوب تھا جو کیڑوں سے ریشم نکالتے

رکھتے ہیں کیوں چراغِ سر رہ گزار آپ
بہتر تھا اس سے اپنے ہی گھر کو اُجالتے

قائم رہیں گے تم سے ہی گلشن میں رنگ و بو
رکھیو نہ اپنے ذہن میں ایسے مغالطے

رونا اسی کا آج بھی روتے ہو اے سلیم
گزرے ہوئے زمانے پہ اب خاک ڈالتے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

ماضی کا بار حال میں کب تک سنبھالتے
"گزرے ہوئے زمانے پہ اب خاک ڈالتے"

اب نیند اڑ گئی ہے تو یہ سوچتے ہیں ہم
"اچھا تھا کوئی خواب نظر میں نہ پالتے"

کچھ خواہشیں تو اب بھی ہیں دل میں دبی ہوئی
"اک عمر ہو گئی ان کو سنبھالتے"

آیا نہ ہم کو اپنے ہی سر کا کبھی خیال
"ہم آئنوں پہ رہ گئے پتھر اُچھالتے"

آخر تمہاری یاد کو دل سے لگا لیا
"کب تک ہم اس کو وعدۂ فردا پہ ٹالتے"

خوبی تلاش کرتے خرابی میں بھی کبھی
"کیا خوب تھا جو کیڑوں سے ریشم نکالتے"

رکھا جو رہ گزر پہ، کوئی لے گیا چراغ
"بہتر تھا اس سے اپنے ہی گھر کو اُجالتے"

تو جس کا ہو گیا ہے وہ تیرا بھی ہے کمالؔ
"رکھیو نہ اپنے ذہن میں ایسے مغالطے"

☆☆☆☆☆

غزل

مسرت حسین عازم

دل سے آنکھوں کا رابطہ رکھیے
ساتھ اشکوں کا قافلہ رکھیے

ہو نہ جائے یہ موجبِ آزار
دل کو قابو میں بھی ذرا رکھیے

ایک محشر کبھی بپا ہوگا
شور سینے میں ہی دبا رکھیے

کھل تو جائیں گی ضبط کی کیلیں
پھر بھی پتھر سے واسطہ رکھیے

حوصلہ ہے ستم کو سہنے کا
آپ کو ہے ستم روا رکھیے

آپ کے عزم کا پتہ دے گا
پاؤں میں اپنے آبلہ رکھیے

دل ہے قصرِ خیالِ خاموشی
اس میں کچھ شور کچھ صدا رکھیے

ظلم پر میں تو سر اُٹھاؤں گا
سر اُٹھانے کی جو سزا رکھیے

☆☆☆☆

آدھی غزل

جب رہِ عاشقی میں پا رکھئے
''ساتھ اشکوں کا قافلہ رکھئے''

دیکھنے کا عمل ہے دونوں کا
''دل سے آنکھوں کا رابطہ رکھئے''

کسی شے پر مچل نہ جائے یہ طفل
''دل کو قابو میں بھی ذرا رکھئے''

ہونٹوں پر خامشی کا قبضہ ہو
''شور سینے میں ہی دبا رکھئے''

شیشے محفوظ ہیں نہ سر محفوظ
''پھر بھی پتھر سے واسطہ رکھئے''

آپ کی ہے ستم گری مشہور
''آپ کو ہے ستم روا رکھئے''

چلئے گیلی زمین پر لیکن
''پاؤں میں اپنے آبلہ رکھئے''

دیکھئے دل کھنڈر نہ بن جائے
''اس میں کچھ شور کچھ صدا رکھئے''

مجرموں میں شمار کیجیے مرا
''سر اُٹھانے کی جو سزا رکھئے''

☆☆☆☆

غـــــزل

نصر اللہ نصر

بے سبب آنکھ نم نہیں کرتے
خود پہ اتنا ستم نہیں کرتے

ہر کسی کو ہے ایک دن جانا
جانے والے کا غم نہیں کرتے

جو حسینی ہیں سر کٹاتے ہیں
وہ جبینوں کو خم نہیں کرتے

دوستی کا لحاظ رکھتے ہیں
شکوۂ یار ہم نہیں کرتے

تذکرہ تیری بے وفائی کا
تجھ سے بھی اے صنم نہیں کرتے

کم سے کم خواب میں تو آتے ہیں
کیسے کہہ دیں کرم نہیں کرتے

نصرؔ مبہم کبھی خیالوں کو
ہم سپرد قلم نہیں کرتے

☆☆☆☆☆

آدھی غزل

کسی سے ذکر غم نہیں کرتے
"تجھ سے بھی اے صنم نہیں کرتے"

بے سبب ہنس تو لیتے ہیں لیکن
"بے سبب آنکھ نم نہیں کرتے"

یاد آؤں تو یاد کر لیجیے
"خود پہ اتنا ستم نہیں کرتے"

کوئی جائے گا ، کوئی آئے گا
"جانے والے کا غم نہیں کرتے"

جو جھکاتے ہیں دل عقیدت سے
"وہ جبینوں کو خم نہیں کرتے"

مدحتِ یار اپنا شیوہ ہے
"شکوۂ یار ہم نہیں کرتے"

فون پر حال پوچھتے ہیں مرا
"کیسے کہہ دوں کرم نہیں کرتے"

کچھ خیالات ایسے ہیں جن کو
"ہم سپرد قلم نہیں کرتے"

☆☆☆☆☆

غــــزل

ارشد جمال حشمی

خواب کیا ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں　　　اک نشہ ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں

ٹوٹتا جا رہا ہے اک اک خواب　　　سلسلہ ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں

اس نے کیا کیا ستم نہ توڑے ہیں　　　دل مرا ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں

رشتے ناتے تمام ٹوٹ گئے　　　سر پھرا ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں

پو پھٹی انگ انگ ٹوٹتا ہے　　　اور نشہ ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں

لہریں آ آ کے ٹوٹ جاتی ہیں　　　اک گھڑا ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں

دل کے دریا میں کیسا سنگ گرا　　　دائرہ ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں

آئنہ ٹوٹ کر بکھر گیا ، عکس　　　کیا بلا ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں

ٹوٹی کشتی دو نیم ہے پتوار　　　ناخدا ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں

کچا دھاگا سہی مگر ارشدؔ

یوں بندھا ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں

☆☆☆☆

آدھی غزل

وجہ کیا ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں
”اک نشہ ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں“

اپنی آنکھیں بھی پھوڑ لیں میں نے
”خواب کیا ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں“

اس کی یادوں کے آنے جانے کا
”سلسلہ ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں“

سنگ باری سے شیشے ٹوٹتے ہیں
”دل مرا ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں“

وعدے ٹوٹے ہیں، خواب ٹوٹے ہیں
”سر پھرا ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں“

نیم کا رس بھی پی لیا ہم نے
”اور نشہ ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں“

سب کے ماتھے پہ اپنے پاپوں کا
”اک گھڑا ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں“

کیسے اس کے حصار سے نکلوں
”دائرہ ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں“

اک تعلق جو ہے بنا اس سے
”کیا بلا ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں“

زور طوفان کا بھی ٹوٹ گیا
”ناخدا ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں“

کس نے باندھا ہے؟ کیسا دھاگا ہے؟
”یوں بندھا ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں“

☆☆☆☆

تعارفی خاکہ

خاندانی نام	:	احمد کمال حشمی
قلمی نام	:	**احمد کمال حشمی**
والد	:	حشم الرمضان (مرحوم)
پیدائش	:	۲۴؍اگست ۱۹۶۴ء
مقام پیدائش	:	کانکی نارہ، مغربی بنگال
تعلیمی لیاقت	:	بی-ایس-سی
ملازمت	:	اسپیشل ریونیو آفیسر-I، حکومت مغربی بنگال
انعامات	:	مغربی بنگال اردو اکیڈمی کا ایوارڈ ۲۰۰۵ء برائے 'سفر مقدر ہے'
		اثبات ونفی ایوارڈ ۲۰۰۶ء برائے شاعری
		مغربی بنگال اردو اکیڈمی کا علامہ رضا علی وحشت ایوارڈ ۲۰۰۹ء برائے 'چاند، ستارے، جگنو، پھول
		'اخبار مشرق' کا قرطاس وقلم ایوارڈ ۲۰۱۳ء برائے چاند، ستارے، جگنو، پھول
		فنکار اکیڈمی کلکتہ کا ساحر لدھیانوی ایوارڈ ۲۰۱۶ء برائے شاعری
پتہ	:	مکان نمبر: 28/1، گلی نمبر: 2، کانکی نارہ، پن-743126
رابطہ	:	9433145485 , 7003296373

منتظرِ اشاعت
۱۔ بَن پھول (ترجمہ)
۲۔ سنگِ بنیاد (تضمینیں)
۳۔ دستِ خزاں (نظمیں)

AADHI GHAZLEN

Ahmad Kamal Hashami

ISBN 978-93-87539-47-1
978-93-87539-47-1
www.ephbooks.com

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
New Delhi , INDIA